

ہماری کچھ کتابیں

اللہ پرستی پر مبنی روحانی کلچر وقت کی سب سے اہم ضرورت

(موجودہ صور تحال کے پس منظر میں)



محمد مسیحی بھٹو

- ۱۔ ملٹ اسلامیہ اور اس کی تعمیر کے صحیح خطوط
- ۲۔ جواہر حکمت و عرفت (ذائقہ زندگی کے اور ان سے)
- ۳۔ خوبی شریعت و معرفت
- ۴۔ نقشِ قوتیں۔ جدیدیت کے پیش نظر میں
- ۵۔ نقشِ قوتیں۔ جدیدیت کے پیش نظر میں
- ۶۔ عالم اسلام، دجالیٰ تینہ یہ کی زندگی
- ۷۔ سر ایج اور زندگی کو پہنچ لئے میں اس کا کرار
- ۸۔ جدید مسند کے رخانات
- ۹۔ اسلامی تحریث اور طریق۔ حضرت پروپریتی نظر میں
- ۱۰۔ مسکل و حوصلات میں حکیماں پرہنائی
- ۱۱۔ مسند کے اکابر بزرگ شاعر اور ان کا پیغام
- ۱۲۔ مدارے محبت
- ۱۳۔ مدارے محبت
- ۱۴۔ عالم پر اختیارات کا علی چائزہ
- ۱۵۔ اسلام پر اختیارات کا علی چائزہ
- ۱۶۔ عالم شریعی اسلامی تکمیل نہ اور تقویٰ و احتجاج
- ۱۷۔ نقشِ قوتیں کے آخری دس سال
- ۱۸۔ نقشِ قوتیں، ایک طالعہ ایک چائزہ
- ۱۹۔ مشاہدہ حق
- ۲۰۔ اسلامی فکر کی تکمیل اور معاشرے کی تعمیر
- ۲۱۔ عصر حاضر کے قلامِ صدقی
- ۲۲۔ اُندر دوست کے غافل۔ میرزا رائیل میں ذرا کا کرار
- ۲۳۔ تو اپنی خودی اگر کہتا
- ۲۴۔ مسند۔ مسالہ۔ سوال۔ سچان۔ غافلین کے بیچ میں
- ۲۵۔ صدایے محبت (ایم خطوط کا مجود)
- ۲۶۔ اسلامی فکر، مسیحی صدی میں
- ۲۷۔ عرقان الطیف
- ۲۸۔ تعلیمات مہدد الف ثانی
- ۲۹۔ شاد بحدیث پھنسائی کا پیام
- ۳۰۔ شاد بحدیث پھنسائی کا پیام
- ۳۱۔ یام۔ بیت (غم ہونی بھوکے ملی اور ہوئی خطوط کا مجود)
- ۳۲۔ اللہ کا پیغام انسانوں کے تمام
- ۳۳۔ بدھ مسند کے داشت اور عالم۔ تاریخ ناکے
- ۳۴۔ آنحضرتؐ پڑھنا (امنگوہ افسوس کے تاب کی قصہ)
- ۳۵۔ ملت اسلامیہ اور عصر حاضر کے تاثرے
- ۳۶۔ اصلاح افسوس کا انجام
- ۳۷۔ بر صحیح بند کی بعض ممتاز علی فیضیتیں
- ۳۸۔ قوتی قوتیہ وزوال میں ظالم قائم کا کرار
- ۳۹۔ اسلام اور ملت اسلامیہ۔ بعد جدید میں
- ۴۰۔ قوتی قوتیہ کا کام اور اس کے قاتے
- ۴۱۔ بعد جدید میں دو ایجہ مہمنی کا کرار اور اس کی فہرستیات
- ۴۲۔ مدارے ملٹے ہوئے اخلاقی و روحانی سائک اور ان کا عمل
- ۴۳۔ چیزیں جو انسان کا دافلی کر جان۔ اور اس سے نفع کی صورت
- ۴۴۔ سلطان پاہو کا کام ترجیح اور اس کی تحریخ
- ۴۵۔ قصوف اور اسلامی تحریث۔ بعد جدید میں
- ۴۶۔ احمد تعمیری کتاب۔ (ابن بیت الیں سلسلہ کے لئے قرآنی روشنیں)
- ۴۷۔ دینی جماعتیں و مخصوصوں کا علمی چائزہ
- ۴۸۔ جیاس نبی سلیمانیہ
- ۴۹۔ میشل اکیدی می ترسٹ
- ۵۰۔ ملیق انسانیت کا بھر جان۔ اور بچاؤ کی تدابیر

نبی یونس نمبر 4 لطیف آباد حیدر آباد
400

فہرست مضمایں

4	روحانی کلچر کا اجتماعی طور پر حصہ بننے سے قدرت کی طرف سے محتمل طاقتور قیادت کا مہیا ہونا	
19	روحانی کلچر سے محرومی کا نتیجہ، معاشری پستی کے لئے رونے دھونے کی صورت میں ظاہر ہونا	
20	روحانی کلچر سے استفادے کے فوائد و ثمرات	
20	ملکوں اور قوموں پر مراءات یافتہ طبقے کے ذریعے اپنی پالیسیاں نافذ کرنے کا عمل	
21	علمی سرمایہ دار سے خائف رہنے کا مزاج	
21	ہمارے کرنے کا کام	
22	روحانی کلچر سے استفادے کے حامل افراد کا معاشرے کا قیمتی اثاثہ ہونا	
22	ملت کو درپیش بحران کی نویعت	
23	ایمان اور تقویٰ کے نتیجے میں اللہ کی طرف سے ملنے والے انعامات کی خوشخبری	
24	جدید معاشرے کی تشكیل میں جنسی اور حیوانی اجزاء اکا غالب ہونا	
24	ہماری عملی زندگی پر ان نظریات کی گہری چھاپ کا ہونا	
24	fasد ما حول کا حصہ بننے سے زندگی پر پڑنے والے اثرات	
25	fasد ما حول کا افراد کو ایک ہی فکر کا اسیر بنانا	
26	سرمایہ دار طبقات کا قابل رحم ہونا	
26	روحانی کلچر کا سکتی ہوئی انسانیت کو بچانے کا کردار ادا کرنا	

9	تعارف
11	اللہ پر سُتی پر مبنی روحانی کلچر وقت کی سب سے اہم ضرورت (موجودہ صور تحال کے پس منظر میں)
11	انسانیت کے لئے روحانیت کے دامن میں پناہ لئے بغیر چارہ کار کا نہ ہونا
12	اللہ پر سُتی پر مبنی کلچر کی نمایاں خصوصیات
12	روحانی کلچر سے محرومی کے زندگی پر پڑنے والے اثرات و نتائج
13	انسانیت کے ساتھ سب سے بڑی خیر خواہی۔ روحانی کلچر کا حصہ بننے کی دعوت دینا
14	مالدار کی روح کا مضطرب ہونا اور اس کی ساری شخصیت کو اندر سے کھوکھا کرنا
14	روحانی کلچر سے نفس پر سُتی پر مبنی شخصیت کا منہدم ہو جانا
15	روحانی کلچر کے بغیر کسی بھی سیاسی یا سماجی نویعت کی تحریک کا غیر مؤثر ہونا
16	قدرت کی طرف سے مادیت کی بے رحم طاقتون کے حوالے کرنے کی سزا کا ہونا
16	مادیت کی جلائی ہوئی آگ کی لپیٹ سے بچنے کے راستوں کا مسدود ہونا
16	ہر فرد کا پہنچانے اندر فساد کا وافرز خیر ہر کہنا
17	روحانی کلچر، پیری مریدی اور سُتی بیعت کا نام نہیں
18	ملت کو مسائل و مصائب میں بنتلا کرنے والا بظاہر طاقتور گروہ اور اس کی "خصوصیات"
18	مادہ پر سُتی کی مقامی طاقت ہو یا عالمی ان سب سے نجات کی صورت بالادست طبقات کا تشكیل دیا ہوا نظام
18	معاشرے میں دینی اور روحانی تحریک کے نفلان کا نتیجہ

37	ہماری قومی زندگی خوف و ہراس کے سایوں کا بڑھتے جانا	
38	دو قسم کی تہائیاں ایک باعث عتاب، دوسرا باعث رحمت کا ہونا دور جدید کے عالمگیر مسئلے کا جائزہ	
41	تفکر سے زندگی میں حاصل ہونے والی برکتیں	
43	ذکر تو انائی کا سب سے بڑا ذریعہ جدید انسان کے لئے لمحہ فکریہ	
46	نفسی قوتوں پر فتحیابی حاصل کرنے کے لئے ابتلاء آزمائش کے مرحلے سے گزرنا	
49	غیر اللہ کے نقوش کو مٹائے بغیر مقصود کا حاصل نہ ہونا	
51	سرگرمیوں کا صحیح رخ متعین کرنے میں محبت کا کردار	
53	شخصیت کے سارے حسن کا روحانی کلچر سے وابستہ ہونا	
55	ذہانت کی حامل شخصیت کا تجزیہ	
57	ترقی کا جدید مادی ماذل اور اسلامی ماذل ایک مختصر موازنہ	
61	روحانی کلچر میں صحبت شیخ کی اہمیت مسئلے کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ	

27	کثرت دولت اور زیادہ غربت دونوں کا آزمائش ہونا	
27	انسانیت کا نت نئے مسائل کے تلے دب جانا	
28	روحانی کلچر میں فساد کے اصل مرکز کی اصلاح کا ہونا	
29	اللہ کی محبت یعنی سچی روحانیت کی راہ میں حائل ہونے والے اعمال	
30	روحانی کلچر سے وابستگی کا ایک مستقل عمل ہونا	
30	اللہ کی راہ محبت میں بعض ضروری تدابیر	
30	کثرت گوئی کے حامل فرد کا راہ محبت کے سفر کا دشوار ہونا	
31	اللہ کی محبت کے رازداں فرد کا درد آشنا ہونا	
32	انسانیت کو دولت کے حرص کے نتیجے میں ملنے والی سزا	
34	معاشرے کے ذہین اور باصلاحیت فرد کی حالت زار۔ لمحہ فکریہ	
35	اللہ والوں کے ہاں ریاست اور معاشرے کو تبدیل کرنے کا خاکہ	
36	دجالی تہذیب کے علمبرداروں کی طرف سے مادیت کے جنون کا ذرور سے پھونکا جانا	

65	خوشحالی کی دو صورتیں ایک انعام۔ ایک آزمائش
67	علمی جوابات، اس کے نقصانات اور ان سے بچاؤ کی صورت
70	ذکر کابنڈہ مؤمن کا سب سے بڑا سہارا ہونا
73	راہِ محبت میں بے قراری کے حالات
75	اندر کی آنکھیں کھلے بغیر کام نہیں بننا
78	اللہ پر ستی پر منی روحانی کلچر کچھ تجربات و مشاہدات
80	ذہانت کی حامل شخصیت کا روحانی کلچر سے رشتہ توڑ کر دوسری تحریکیوں کا حصہ بننا
82	راہِ محبت میں منصب اور ذہانت کا جواب کا ذریعہ بننا
83	سندھ کے ایک بڑے شاعر کا روحانی کلچر کا حصہ بننا
84	ایک ممتاز شخصیت کا اقامت دین کی تحریک سے روحانیت کی طرف رجوع
86	نظریاتی اور علمی طور پر باند سطح کے باوجود روحانیت سے عدم استفادہ (ایک ممتاز علمی شخصیت کے حوالے سے گفتگو)

88	زندگی میں موجود خلا کو پُر کرنے کی صورت (ایک مولانا کے حالات کے حوالے سے)
90	اپنی رائے کو حرف آخر سمجھ کر اس پر ڈٹ جانے کی کمزوری (متاز اہل قلم کے حوالے سے گفتگو)
92	روحانی کلچر سے عدم استفادہ کے نقصانات (سندھ میں ادبی حمایت پر کام کرنے والی اہم شخصیت کے حوالے سے)
95	ایک دانشور کی حساسیت اور خدمت دین کی سعادت کا حاصل ہونا
97	تصوف سے وابستہ نہ ہونے کے باوجود تصوف کی پیدا کردہ خصوصیات کا حامل ہوتا (ایک دوست دانشور صحافی کے حوالے سے)
102	زیر تربیت باصلاحیت افراد کی طرف سے رابطہ توڑ دینے کا عمل
103	روحانی کلچر سے عدم استفادہ کے کچھ اسباب (ایک نظریہ میں)

تعارف

زیر نظر کتاب "اللہ پرستی پر مبنی روحانی کلچر" وقت کی سب سے اہم ضرورت، مختصر کتاب ہے، یہ موضوع ہی ایسا ہے کہ اس پر جتنا بھی لکھا جائے کم ہے، اس لئے کہ اس دور میں انسان مادیت کے جنون میں مبتلا ہے اور مادیت میں ہی اپنے ذہنی، وجدانی، روحانی اور معاشرتی مسائل کا حل تلاش کرنا چاہتا ہے، جو ممکن نہیں ہے۔

یہ اہم حقیقت ہے کہ سارے علوم و فنون کے حصول کے لئے متعلقہ شعبہ کے ماہر کی صحبت کو ضروری سمجھا جاتا ہے، دنیا بھر کی درسگاہوں اور یونیورسٹیوں میں ماہر استاد ہی ہوتا ہے جو پڑھنے پڑھانے اور علوم سکھانے کا کردار ادا کرتا ہے، بالکل اسی طرح وجدانی اور روحانی نویسیت کے مسائل کا معاملہ بھی ہے، جسے ہم انسان سازی، سیرت سازی اور کردار سازی کہتے ہیں، ان سارے معاملات کا تعلق بھی مزکی، مرbi اور روحانی استاد سے ہے، اسے ہم جدید اذہان کی آسانی کے لئے اللہ پرستی پر مبنی روحانی کلچر سے بھر پور استفادہ بھی کہہ سکتے ہیں۔

زیر نظر کتاب میں اس موضوع کے اہم پہلوؤں کو اجاگرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
اللہ پرستی پر مبنی روحانی کلچر انسانی زندگی کے پاکیزہ اخلاقی و روحانی مسائل کو کس طرح حل کرتا ہے، اور انسانیت اس وقت جس ہمہ گیر بحران سے دوچار ہے، اس سے نکلنے میں وہ کس طرح کردار ادا کر سکتا ہے، کتاب میں اس کی تفصیل بھی پیش کرنے کی کاوش کی گئی ہے۔
جب ہم روحانی کلچر کی بات کرتے ہیں تو اس کا مطلب تزکیہ نفس، سلیقہ عبدیت، سلیقہ انسانیت، تہذیب نفس، ضبط نفس، تعمیر سیرت، اخلاق حسنہ، اوصاف حمیدہ، تقویٰ خیثت اور خوبیوں کے درار ہوتی ہے۔

روحانی کلچر سے ہماری مراد یہ بھی ہے کہ روحانی صلاحیتوں کو بیدار کر کے نفسی قوتوں پر ان پاکیزہ روحانی صلاحیتوں کو غالب کیا جائے، نیز اللہ کی محبت کو دوسرا ساری محبتوں پر غالب کیا جائے، روحانی کلچر میں یہ بات بھی شامل ہے کہ باطن کو اتنا مستحکم اور منور کیا جائے کہ مادی کلچر کے اثرات کی مزاحمت کی اس کی صلاحیت غیر معمولی طور پر بڑھ جائے۔
یہی روحانی کلچر اسلامی کلچر ہے، یہی کلچر دین اسلام کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔

کتاب کے آخری حصہ میں اپنی زندگی کے درمیانی دور کی ان شخصیات کا ذکر ہے، جن سے میرا گھر ا تعلق رہا ہے، جو علمی، ادبی و صحفی اعتبار سے ممتاز حیثیت کی حامل تھی، لیکن روحانی کلچر کی نوعیت کے عدم فہم اور اس سے نا آشنائی کی وجہ سے وہ مزاج کی سختی اور تنقی کا شکار رہیں، جس کی وجہ سے معاشرہ ان کی علمی و ادبی صلاحیتوں سے پوری طرح اور بہتر طور پر مستفیض نہ ہو سکا، اور وہ خود بھی قلبی سکون کی متلاشی رہیں، ان صلاحیتوں کے نام لینے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن بہر حال وہ ہماری تاریخ کا حصہ ہیں، ان میں سے بعض صلاحیتوں نے آخر میں اہل اللہ کا سہارا الیا اور ان سے روحانی استفادہ کیا۔

اس موضوع پر ہماری دو مزید کتابیں موجود ہیں، ایک "مادیت اور روحانیت کی کشمکش" کے نام سے ہے، دوسرا "مادی کلچر پر روحانی کلچر کو غالب کرنے کی صورت" کے نام سے۔

دعای ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اس ٹوٹی پھوٹی محنت کو اپنے ہاں قبولیت کا شرف عطا فرمائے اور انہیں پڑھنے والوں کے لئے نافع بنائے۔ (آمین)

مایوسی سے دوچار ہو رہی ہے، ان حالات میں انسان کے لئے روحانیت کے دامن میں پناہ لئے بغیر کوئی چارہ کا رہ نہیں ہے۔

اللہ پرستی پر مبنی کلچر کی نمایاں خصوصیات

روحانی اور پاکیزہ اخلاقی اقدار اس وقت انسانیت کی سب سے زیادہ ضرورت ہیں، اللہ پرستی پر مبنی روحانی کلچر کی نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں۔

(۱) ایمان اور عقیدے کے استحکام کا ہونا (۲) اللہ سے والہانہ محبت کا ہونا اور اس محبت میں ارتقائی عمل کا جاری رہنا (۳) اللہ کے بندوں سے شفقت، محبت اور نرمی کا معاملہ ہونا (۴) تھوڑے پر راضی رہنا اور قیامت کے ساتھ زندگی گزارنے کے سلیقہ کا حامل ہونا، دوسرے الفاظ میں راحت اور جدید طرز کی آسائش کی زندگی سے رضا کارانہ طور پر دستبردار ہونا (۵) خود احتسابی سے کام لے کر، باطنی صلاحیتوں کو بیدار سے بیدار تر کرتے رہنا (۶) پاکیزہ اخلاق اور اوصاف حمیدہ کا حامل ہونا (۷) ملت کی فلاح و بہبود کی کلکر کا ہونا اور اس کے لئے اپنے حصہ کا کردار ادا کرتے رہنا (۸) جماعتی اور گروہی تعصبات سے بلند ہو کر، ملت کو ملت کی حیثیت سے دیکھنا (۹) شخصیت اور مزاج کو ہر طرح کے حالات میں توازن اور اعتدال پر قائم رکھنا (۱۰) معاشرے میں روابطی کو فروغ دینا، (۱۱) معاشی اعتبار سے پست طبقات کی مدد کے لئے کوشش ہونا (۱۲) خدمتِ خلق کے کام کو سعادت سمجھنا اور دکھلی دل افراد کو سہرا دینا، (۱۳) دل کو دولت کی محبت سے محفوظ رکھنے کے لئے کوشش ہونا (۱۴) سکون، سکینت اور خوشی کی زندگی سے بہرہ دو ہونا وغیرہ وغیرہ، اللہ پرستی پر مبنی یہی وہ کلچر ہے، جو حقیقی تصوف پیدا کرنا چاہتا ہے۔

روحانی کلچر سے محرومی کے زندگی پر پڑنے والے اثرات و متأثح
روحانی صلاحیتوں سے محرومی یا روحانی کلچر سے دوری کے زندگی پر جو اثرات و متأثح پڑتے ہیں، ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

اللہ پرستی پر مبنی روحانی کلچر

وقت کی سب سے اہم ضرورت
(موجودہ صور تحال کے پس منظر میں)

اس وقت انسانیت، سرمایہ داری نظام کے زیر اثر نفس پرستی اور مادہ پرستی کے جس عروج پر ہے، اس نے انسانیت سے سکون کی نعمت سلب کر کے، اس کی زندگی کو انگاروں پر لوٹنے کے متtradف بنایا ہے، ساتھ ساتھ لوگوں سے روٹی کا نوالہ چھین کر، انہیں زندگی اور موت کی کشمکش سے دوچار کر دیا ہے۔ نیز ہر گھر کو ماتم کہہ میں تبدیل کر دیا ہے، جب خواہشات معبود بنتی ہیں اور مادہ پرستی مقصود بن جاتی ہے ایک تو انسانی زندگی فساد سے دوچار ہونے لگتی ہے اور زندگی کو خوبصورت بنانے کے لئے غیر ضروری مادی اشیاء پر ٹوٹ پڑنے کا مزاج پیدا ہونے لگتا ہے، جس سے مصنوعی مادی صنعت فروغ ہونے لگتی ہے۔ دوسرا یہ کہ دل اور روح موت کے سے حالات سے دوچار ہونے لگتے ہیں۔ تیسرا یہ کہ سرمایہ دار کے منافعہ کی ہوس بڑھتے رہنے کی وجہ سے مہنگائی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

نفس پرستی اور مادہ پرستی کی موجودہ صور تحال زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی، اس لئے کہ قدرتی وباہی، پانی کی کمی، انجام کا بحران وغیرہ مادی فلسفہ کو چلنے نہیں دے گا، انسان کو ایسے کلچر کی ضرورت ہو گی، جس سے وہ تھوڑے سے وسائل سے زندگی گزارنے کا سلیقہ سیکھے اور جو اس میں قیامت اور سادگی سے گزر برس کرنے کی صلاحیت پیدا کرے، نیز مشکل وقت میں افراد کو انسانیت کے ناطے سے ایک دوسرے کی مدد پر ابھار سکے، اس طرح کا کلچر اللہ پرستی پر مبنی پاکیزہ روحانیت کا کلچر ہی ہو سکتا ہے، جو انسانیت کو نفس پرستی اور مادہ پرستی کے ہمہ گیر بحران سے نجات دلا کرے، اسے سکون، خوشی اور خوشحال زندگی سے ہمکنار کر سکتا ہے۔

انسانیت کے لئے روحانیت کے دامن میں پناہ لئے بغیر چارہ کا رکانہ ہونا

ہم سرمایہ دارانہ نظام کی ناکامی کے منظر کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ انسانیت بیاندی ضروریات کی چیزوں کو ترس رہی ہے اور وہ روحانی اضطراب اور بے یقینی کی زندگی گزار کر

اب جب مادہ پرست قوتیں ذہنی آوارگی، فکری انتشار، جنسی بے راہ روی پیدا کرنے معاشری طور پر انسانیت کو پال کرنے میں اپنی ساری قوتیں صرف کر رہی ہیں، ان حالات میں اللہ پرستی پر مبنی روحانی کلچر کا حصہ بن کر خود کو روحانی اور اخلاقی طور پر میکم کرنا پھر افراد معاشرہ کو اس راہ پر گامزد کرنے کے لئے کوشش ہونا ہم سب کا ایسا دینی فریضہ ہے، جس سے ہم کسی طور پر سبد و شنبیں ہو سکتے۔

مالدار کی روح کا مضطرب ہونا اور اس کی ساری شخصیت کو اندر سے کھو کھلا کرنا
اس وقت انسان کی حالت ہر اعتبار سے قابلِ رحم ہے، غریب اس لئے پریشان ہے کہ اس کی بنیادی ضروریات پوری نہیں ہو رہی ہیں، مالدار اور سرمایہ دار اس لئے ذہنی دباؤ کا شکار ہے کہ اس کی روح مضطرب ہے، جو اس کی ساری شخصیت کو اندر سے کھو کھلا کرنے کا ذریعہ بن رہی ہے، ویسے بھی کثرت دولت اپنے ساتھ بے پناہ تفکرات لاتی ہے، اگر دولت ناجائز ذراائع، سود، رشوت، لوٹ مار، مصنوعی طور پر مہنگائی بڑھاتے رہنے وغیرہ سے حاصل ہو تو ایسی دولت مالداروں کی نیند اڑادینے، دولت سے مزید دولت بنانے کے تفکرات اور ان کی اولاد کو بے راہ رو بنانے کا موجب بنتی ہے، قرآن میں دو مقامات پر آیا ہے کہ ہم ان کو کثرت دولت اور اولاد دے کر دنیا میں ہی عذاب دینا چاہتے ہیں۔

اہل اللہ کو پوری انسانیت کی فکر لاحق ہوتی ہے کہ اسے دنیا و آخرت میں اللہ کے عتاب سے کیسے بجایا جائے۔ یہ فکر اہل اللہ کو بے چین کر دیتی ہے، دنیا کے چند دنوں کے عتاب کا وقت تو خیر گز رہی جاتا ہے، لیکن آخرت کا ہونا کم اور سخت عذاب جو ناقابل برداشت ہے، اس سے انسانیت کو بچانے کی فکر کا ہونا، ایمان کے تقاضوں میں شامل ہے۔

روحانی کلچر سے

نفس پرستی پر مبنی شخصیت کا منہدم ہو جانا

روحانی کلچر سے بھر پور استقادے کے نتیجے میں ہوتا یہ ہے کہ نفس پرستی پر مبنی پہلی شخصیت منہدم ہو کر، اس شخصیت پر روحانی وجود غالب آنے لگتا ہے اور فرد و افراد کو ان

(۱) اللہ کی محبت کی بات سننے سے کدر و روت کا پیدا ہونا (۲) قسادت قلبی اور سخت دلی کا شکار ہونا (۳) اشتعال اور جھوٹ جلاہٹ کا غالب ہونا، موقعہ بے موقعہ اس کا مظاہرہ ہونا (۴) مراجع میں انسانیت کا پیدا ہونا، یعنی تکبر کا ہونا (۵) دولت اور دنیا کے بارے میں بہت زیادہ حساس ہونا، دوسرے الفاظ میں دنیا کی محبت کا ہونا (۶) دوسروں کی ایذا رسانی کے مراجع کا ہونا (۷) ذکر سے طبعی مناسبت کا نہ ہونا (۸) اہل اللہ سے ذہنی بعد کا ہونا اور ان کے دین کے فہم کو ناقص سمجھنا (۹) آخرت کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی کو ترجیح دینا (۱۰) مراجع میں سختی اور تشدد کا ہونا (۱۱) قلبی سکون سے محروم ہونا (۱۲) ذہنی دباؤ کا شکار ہوتے رہنا، (۱۳) معاصر شخصیتوں پر تنقید سن کر خوش ہونا (۱۴) شخصیت میں ٹھراؤ اور توازن کے فقدان کا ہونا اور جذباتی مراجع کا حامل ہونا (۱۵) گفتگو میں جذباتی عنصر کا غالب ہونا (۱۶) معاشر اعتبر سے خوشحال ہونے کے باوجود غریب اور مستحق افراد کی مدد کے معاملہ میں بخل سے کام لینا (۱۷) مجلس میں ہونے والی باتیں جو رازداری سے تعلق رکھتی ہوں، انہیں غیر متعلق لوگوں تک پہنچاتے رہنا، یہ اور اس طرح کی کافی چیزیں ہیں، جو اس بات کی علامت ہیں کہ فرد و روحانی افلاس کا شکار ہے اور اللہ کی محبت سے ناآشنا ہے۔

موجودہ دور میں عالمی سطح سے لے کر محلے کی سطح تک معاشرے کو اس طرح کے کلچر کی شدید ضرورت لاحق ہے، انسانیت، مادیت اور مادیت پرست قوتوں کے ہاتھوں پالماں ہو رہی ہے اور وہ آخرت کے جہنم سے پہلے اس دنیا میں جہنم کے منظر سے دوچار ہے۔

انسانیت کے ساتھ سب سے بڑی خیر خواہی۔ روحانی کلچر کا حصہ بننے کی دعوت دینا انسانیت کے ساتھ سب سے بڑی خیر خواہی یہ ہے کہ فرد خود اس کلچر کا حصہ بن کر، اس کی خصوصیات سے بہرہ ور ہو تو ساتھ ساتھ اپنے حلقہ احباب اور اپنے جانے والوں کو بھی اس کلچر کا حصہ بننے کی دعوت دے، یقین جانیں ایسا کرنے سے فرد نئی پاکیزہ اور خوشی سے سرشار زندگی سے فیضیاب ہو گا اور مادہ پرستی کے مسموم اثرات (جدول، دماغ اور روح کو ناکارہ بنادیتے ہیں اور افراد کو ذہنی و نفیتی مریض بنانے کا ذریعہ بنتے ہیں) اس سے بچاؤ کی صورت پیدا ہو گی۔

وجدانی صلاحیتیں بیدار ہوں گی، وہ ان صلاحیتوں کی وجہ سے اپنی ذات کے لئے مفید بلکہ باہر کرنے کے ساتھ ساتھ ملک و قوم کے لئے بھی سرمایہ ثابت ہوں گے۔

قدرت کی طرف سے مادیت کی بے رحم طاقتون کے حوالے کرنے کی سزا کا ہونا اس وقت مادہ پرستی کی داخلی اور خارجی قوت معاشرے کو پہاڑ کرنے اور افراد معاشرہ کو قیامت کے سے منظر سے دوچار کرنے میں اس لئے کامیاب ہے کہ ہم نہ توالی پرستی پر مبنی روحانی کلچر سے خود استفادہ کر کے، روحانی طور پر مستحکم ہونے کے لئے تیار ہیں اور نہ ہی اس دعوت کو دوسروں تک پہنچانے میں معاون و مددگار ثابت ہو رہے ہیں، اس کی سزا کے طور پر قدرت نے ہمیں مادیت کی بے رحم طاقتون کے حوالے کیا ہے۔ جو ہمیں ہر اعتبار سے پہاڑ کر رہی ہیں، جو ذہنی و نفسیاتی امراض میں اضافہ کا ذریعہ بن رہی ہیں، جو لوگوں کو روفیٰ تک کا محتاج بنالہ ہی ہیں، جس سے لوگوں کی زندگی و پہاڑی بنتی جا رہی ہے۔

اگر ہم میں سے کچھ افراد اب تک مادیت کی بے رحم طاقتون کی دست برداشت سے محفوظ ہیں تو اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ یہ تو تین کل ہمارا گھیراؤ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں گی، ان سے بچاؤ کی واحد صورت اللہ پرستی پر مبنی روحانی کلچر کا حصہ بننا ہے، جو مادیت پرست قوتون کے خلاف حصار (قلعہ) کا کام سرانجام دے گا۔

مادیت کی جلانی ہوئی آگ کی لپیٹ سے بچنے کے راستوں کا مسدود ہونا

یاد رکھیں کہ آپ اگرداں نشور ہوں یا اہل علم یا اہلدار اور خوشحال فرد، لیکن اگر آپ نے اللہ پرستی پر مبنی کلچر سے استفادہ کرنے میں بخل سے کام لیا تو آپ مادیت کی جلانی ہوئی آگ کی لپیٹ سے نجکیں، محال تر ہے۔ اس کلچر کا تعلق چونکہ دل و دماغ اور روح کو متوازن بنانے اور ساری انسانی شخصیت کو انوار الٰہی سے بہرہ دن کرنے سے ہے، اس لئے اس کام کو اپنے ترجیحی کاموں میں اولین اہمیت دینا فرمائیں۔ اس سے آپ اپنی زندگی میں نئی تابنا کی اور تو انکی محسوس کریں گے، ایسی تو انکی جو مادیت کی بڑی سی بڑی قوتون پر حاوی ہو گی۔

ہر فرد کا اپنے اندر فساد کا و فرذ خیرہ رکھنا

اس نکتہ کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ہر فرد عام طور پر اپنے اندر فساد کا و فرذ خیرہ رکھتا ہے، جو حب جاہ، حب مال، احساس برتری اور دوسروں پر فویقت کے جذبات وغیرہ کی

انگاروں سے نجات ملتی ہے، جو نفس پرستی کی وجہ سے دل اور روح پر گرتے رہتے ہیں، جس سے زندگی بے یقینی اور بے قراری سے عبادت ہو جاتی رہی ہے، اب فرد کی حقیقی شخصیت اپنے حقیقی محبوب کو پا کر، سکون اور سکینت کی ایسی زندگی پانے میں کامیاب ہوتی ہے، جو ساری دنیا کی دولت خرچ کرنے سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔

اس طرح کارروائی کلچر جو فرد و افراد کو لازوال خوشیوں سے بہرہ دو رکرتا ہو، اس سے محرومی کو شوئی قسمت ہی کہا جاسکتا ہے
روحانی کلچر کے بغیر کسی بھی سیاسی یا سماجی نوعیت کی تحریک کا غیر مؤثر ہونا ریاست اور معاشرے کو بدلتے کے لئے کوئی بھی سیاسی یا سماجی نوعیت کی تحریک کامیاب نہیں ہو سکتی، جب تک وہ روحانی کلچر کی پیدا کردہ خصوصیات سے کسی حد تک بہرہ دو نہ ہو۔

اگرچہ سیاسی اور سماجی طور پر بہتر قیادت حالات میں نسبتہ بہتر کردار ادا کر سکتی ہے، اور قوم کو زوال سے نکالنے میں کسی حد تک روول ادا کر سکتی ہے، لیکن روحانی صلاحیتوں سے بہرہ ورزہ ہنی صلاحیتوں کی حامل قیادت جو اللہ کا انعام ہوتی ہے، اس میں جو حکمت اور فہم و فراست ہوتی ہے اور معاملات کو سلیمانی کے لئے جو تدریب ہوتا ہے اور قوم کے وحدت کے رشتے کو قائم رکھنے کے لئے جو بصیرت ہوتی ہے، جسے اتقوا فراسة الیوم من فانه ینظر بنور الله یعنی مومن کی فراست سے ڈرا کرو اس لئے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے کے الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے، یہ فراست روحانی صلاحیتوں کو بیدار نہ کرنے اور روحانی کلچر سے بھر پور استفادہ نہ کرنے والی سیاسی و سماجی قیادت میں پیدا نہیں ہو سکتی، روحانی کلچر سے استفادہ کرنے کی عام افراد کو بھی ضرورت ہے تو قومی زندگی کے مختلف شعبوں سے وابستہ افراد کو تو مزید ضرورت ہے تاکہ وہ ملک کے اجتماعی نظام کو یادہ بہتر طور پر چلانے کی صلاحیتوں سے بہرہ دو ہو سکیں۔

اس نکتے کا استحضار ضروری ہے کہ باصلاحیت افراد اگر روحانی کلچر سے بھر پور استفادہ کریں گے تو اس سے انہیں جو فائدہ حاصل ہو گا، وہ یہ ہے کہ ان کی خفتہ اعلیٰ روحانی ذہنی اور

ملت کو مسائل و مصائب میں بیٹلا کرنے والا بظاہر طاقتور گروہ اور اس کی "خصوصیات"

ملت کو مسائل و مصائب میں بیٹلا کرنے والا بظاہر جو گروہ نظر آتا ہے وہ ریاست کے کلیدی عہدوں پر فائز گروہ ہے لیکن دراصل یہ مسائل و مصائب کاظہری سبب ہے، اصل سبب وہی ہے کہ ملت اندر سے بدلت کر اپنے مولاسے حقیقی تعلق قائم کرنے اور اس کے تقاضے پورے کرنے کے لئے تیار نہیں ہے اس لئے قدرت نے اس گروہ کو پاکستانی ملت پر مسلط کیا ہے، اس گروہ کا اپری سطح پر عالمی سماں ہو کار سے تعلق قائم ہے، عالمی سماں ہو کار اس کے ادارہ سے پیسے لے کر مراءات درمراءات حاصل کرنا دولت سے کھلیا، عوام کے خون پسینے کو پھوڑ کو عالمی سماں ہو کار کے قرضے اور سودہ رسوی قطیں ادا کرنا، یہ بالادست طبقات کا وظیر ہے۔
یہ بالادست طبقات مادہ پرست عالمی کلچر کا حصہ ہیں، وہ مادی تہذیب پر دل سے فریغتہ ہیں وہ عالمی مادی قوت اور مادہ پرست تہذیب سے کسی بھی طور پر اپنانہ مقطع کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

مادہ پرستی کی مقامی طاقت ہو یا عالمی ان سب سے نجات کی صورت مادہ پرست مقامی طاقت ہو یا عالمی قوت، ان سب سے نجات کی صورت یہ ہے کہ اللہ پرستی پر منی کلچر میں پناہ لی جائے، اور اللہ سے اپنے وفاداری کے رشتے کو مستحکم سے مستحکم تر کیا جائے یہ ایسی پناہ گاہ ہے جس سے بڑھکر کوئی پناہ گاہ نہیں ہے، کائنات کے سارے خزانے اللہ ہی کے ہیں، اور قوت قاهرہ کی مالک ہستی بھی وہی ذات ہی ہے، اس سے تعلق مستحکم کرنے کے نتیجے میں وسائل کارخ از خود ملت کی طرف مڑ جائے گا۔

بالادست طبقات کا تشکیل دیا ہوا نظام

معاشرے میں دینی اور روحانی تحرک کے نتیجہ

ہمارے ہاں بالادست طبقات نے جو نظام تشکیل دیا ہے، جس میں ساری مراءات انہی کو حاصل ہے، عوام کے لئے محرومیاں، غربت، افلاس اور محتاجی ہی محتاجی ہے، اس نظام کو چیخ دینے والا کوئی طبقہ معاشرے میں مستحکم نہیں ہے، دراصل یہ ساری صور تحال اللہ کے

صورت میں موجود ہوتا ہے، پاکیزہ روحانی کلچر سے بھر پور استفادہ کی ضرورت اس لئے بھی ہے تاکہ فرد، افراد و معاشرہ کو اپنے نفس کے شر اور اس کی خرابیوں سے بچا سکے۔ دوسری صورت میں معاشرے میں فساد کی ایسی ہمہ گیر صورت پیدا ہو گی کہ ہر فرد اس کی لپیٹ میں آئے بغیرہ نہیں کے گا، اس وقت پورا انسانی معاشرہ اسی فساد کا منظر پیش کر رہا ہے۔

دیریا سویر انسانیت مادی کلچر سے بغاوت اختیار کر کے، روحانی کلچر کو اپنانے اور اسے اختیار کرنے پر مجبور ہو گی، اس لئے کہ اس کی بقا اور اس کی نجات کے سارے راستے مسدود ہو جائیں گے اور حالات مادی طرز زندگی، مادی کلچر اور مادی فلسفہ کو کسی صورت چلنے نہیں دیں گے۔

روحانی کلچر، پیری مریدی اور رسی بیعت کا نام نہیں

روحانی کلچر روایتی پیری مریدی اور رسی نویعت کی بیعت کا نام نہیں ہے، بلکہ روحانی کلچر، صاحب دل اور صاحب فقر شخصیت سے اپنے دل کے تعلق کو استوار کر کے ان کے شروع کر دہذ کر کے حلقوں میں شریک ہونے یا ان کے دینے ہوئے ذکر پر محنت کرنے سے ہی فردو روحانی کلچر کا حصہ بن جاتا ہے، یہی روحانی کلچر ہے، جو بندہ کو اپنے مولاسے متصل کرنے کا ذریعہ بنتا ہے، اس کلچر کا حصہ بننے سے ہی فردو انسانیت کے حقیقی درد سے آشنا ہو جاتا ہے کہ اسے دنیا و آخرت میں اللہ کے عتاب سے کیسے بچایا جائے۔

یہی روحانی کلچر ہے، جو نفس پرستی کی قوتوں کو پامال کر کے، فرد و افراد کو اسلامی شریعت پر گامزنا کرنے اور دین و ملت کے حوالے میں اس میں حسابت پیدا کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔
اس روحانی کلچر کا حصہ نہ بننا، اپنے آپ کو ان گنت مسائل و مصائب میں بیٹلا کرنا ہے۔
روحانی کلچر کی اصطلاح ہم نے جدید طبقات کی ذہنی سطح کو پیش نظر، کھکر استعمال کی ہے، ورنہ دین اسلام ہی ہمارے لئے سب کچھ ہے، اس میں روحانی کلچر از خود آ جاتا ہے، ان الدین عند الله الاسلام (بے شک اللہ کے ہاں (قابل قبول) دین اسلام ہی ہے)۔

عتاب کا نتیجہ ہے اس لئے کہ معاشرہ میں دینی، اخلاقی اور روحانی طور پر طاقتوں تحریک کو جنم دینے کی سرے سے صلاحیت ہی موجود نہیں ہے، جو معاشرے اللہ سے اپنے رشتہ کو مستحکم کرنے اور بندوں کے حقوق ادا کرنے کے لئے تیار ہی نہ ہو، جو سراپا دنیا پرستی میں ڈوبا ہوا ہو، اس طرح کے معاشرے کی اللہ کی طرف سے نہ صرف یہ کہ کوئی مدد نہیں ہوتی، بلکہ اسے مادیت پرست قوتوں کے حوالے کیا جاتا ہے جو ان کی زندگی میں زہر سرایت کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

روحانی کلچر کا اجتماعی طور پر حصہ بننے سے قدرت کی طرف سے صحمند طاقتوں قیادت کا مہیا ہونا

روحانی کلچر کا حصہ بننے اور اس کو تحریک کی صورت دینے کا بڑا فائدہ جو حاصل ہو گا، وہ یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے ایسی طاقتوں قیادت مہیا کی جائے گی، جو مراعات یافتہ مادہ پرست طبقات کو چیلنج دے کر، ان کو زیر وزیر کرنے کا موجب ثابت ہو گی، اس طرح پسمندہ طبقات کو اپر اٹھانے کی صورت پیدا ہو گی، حدیث شریف ہے کہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔

روحانی کلچر سے محرومی کا نتیجہ، معاشی پستی کے لئے رونے دھونے کی صورت میں ظاہر ہونا

معاشرہ اگر روحانی کلچر کی تحریک کا حصہ نہ بنے گا تو اس کے لئے اپنی معاشی پستی کے لئے رونے دھونے اور محتاجی اور بے بی کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ ہو گا۔

افراد معاشرہ کو یہ لکھنا کسی ضرورت ہے کہ اس کے سارے مسائل اللہ سے دوری کے نتیجہ میں ہی پیدا ہوئے ہیں، جب اللہ سے تعلق مستحکم ہوتا ہے تو اس سے حالات میں از خود بہتری پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے اور قوم و ملت کو در پیش سارے بحر انوں سے نکلنے کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

روحانی کلچر سے استفادے کے فوائد و ثمرات

روحانی کلچر کی تحریک دراصل افراد کے ترقی یہ نفس کا کام سر انجام دیتی ہے اور ان کے نفسوں کو سنوارتی ہے، پھر یہ افراد، معاشرے کے جس شعبہ کا بھی حصہ ہوں گے، وہاں وہ اپنے کردار سے خوشبو پھیلائیں گے، وہاں اگر سیاست کا رخ اختیار کریں گے تو سیاست کو ملک اور قوم کی بے لوٹ خدمت کا ذریعہ بنائیں گے اور اپنی روحانی صلاحیتوں کے ذریعہ سیاست میں موجود ساری خرابیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں گے، یہ اگر کار و بار کا رخ اختیار کریں گے تو کار و بار میں دیانت کو فروغ دیں گے اور مہنگائی کو کم کرنے کے لئے کوشش ہوں گے، روحانی جو ہر اور طاقتوں روحانیت انہیں ایسا کرنے پر مجبور کرے گی، یہ افراد اگر انتظامیہ کا حصہ بنیں گے تو انتظامیہ کو ملک و قوم کے لئے زیادہ مفید بنانے کے لئے کوشش ہوں گے، رشتہ، لوٹ مار اور ہر طرح سے دولت کمانے کا جو کلچر انتظامیہ کا حصہ بن گیا ہے، وہ اس کلچر کو ختم کر کے اسلام کے پاکیزہ کلچر کو فروغ دینے کا ذریعہ بنیں گے۔

جدید درسگاہوں کے اساندہ اگر روحانی کلچر سے والبستہ ہو کر، اس سے بھروسہ استفادہ کریں گے تو ان میں وہ اخلاقی اور روحانی جو ہر پیدا ہو گا کہ طلبہ کی پاکیزہ نیادوں پر تربیت کر سکیں گے اور انہیں جدیدیت کی فکری لہروں اور عملی طور پر بے راہ روی سے بچانے میں مؤثر کردار ادا کر سکیں گے۔

ملکوں اور قوموں پر مراعات یافتہ طبقے کے ذریعے اپنی پالیسیاں نافذ کرنے کا عمل

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ نفس پرستی پر مبنی سرمایہ داری ایسا نظام تشکیل دیتا ہے، جس سے ملکوں اور قوموں میں ایک مراعات یافتہ طبقہ وجود میں آتا ہے، عالمی سرمایہ دار اس مراعات یافتہ طبقے کے ذریعے سے اپنی پالیسیاں نافذ کرواتا ہے، ان پالیسیوں کی "خاصیت" یہ ہوتی ہے کہ اس سے دولت کا رکاز سرمایہ دار طبقات کی طرف ہونے لگتا ہے، عام لوگوں

کے حصے میں محرومی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا، انہیں سارے دن کی محنت کے نتیجے میں بمشکل دووقت کی روٹی نصیب ہوتی ہے۔

اس نظام کی دوسری "خاصیت" یہ ہوتی ہے کہ دولت نصب العین کی صورت اختیار کر جاتی ہے، ساری سرگرمیوں کا مرکز یہی نصب العین ہوتا ہے، دین و مذہب پاکیزہ اخلاقی اندار وغیرہ سب بے معنی ہو جاتے ہیں، یہ بالادست طبقات مادہ پرست عالمی کلچر کا حصہ ہیں، وہ مادی تہذیب پر دل سے فریفہ ہیں، وہ عالمی مادی قوت اور مادہ پرست تہذیب سے کسی بھی طور پر پناہ نہ منقطع کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

عالیٰ سرمایہ دار سے خائف رہنے کا مزاج

عالیٰ سرمایہ دار کی مالی مدد سے چلنے والے ممالک کی جو حالت ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ ان ملکوں کے بالادست طبقات کے مفادات عالیٰ سرمایہ دار سے وابستہ ہو جاتے ہیں، اس لئے وہ عالیٰ سرمایہ دار سے خائف رہتے ہیں کہ کہیں یہ قوت نالاں نہ ہو جائے ان سے ان کی وفاداری کا رشتہ اتنا مستحکم ہو جاتا ہے کہ ان کی ایک کال پر وہ ان کے سامنے ڈھیر ہو جاتے ہیں اور اپنے ملک کی پالیسیاں تبدیل کر کے، ان سے مکمل طور پر ہمہ آہنگ پالیسیاں تشکیل دینے پر مجبور ہوتے ہیں، جس طرح پرویز مشرف نے افغانستان کے مسئلے پر ایک کال کے نتیجے میں اپنی پالیسی تبدیل کی۔

ہمارے کرنے کا کام

لیکن عالیٰ سرمایہ دار کی قوت قاہرہ کے باوجود دین و مذہب اور اللہ پرستی پر مبنی روحانی کلچر اتنا طاقتور ہوتا ہے کہ جو قیادت اپنے مولا سے تعلق مسحکم کرتی ہے، مادہ پرست قوتیں انہیں خوف زدہ کر کے، اپنے مقاصد سے ہمہ آہنگ پالیسیاں بنانے اور انہیں اپنے درپر جھکانے میں ناکام رہتی ہیں، افغانستان اور ایران اس کی واضح مثال ہے۔

ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اس طرح کی قیادت کو جنم دے کر اسے مستحکم کریں، یہ ایسا کام ہے، جو ہمارے لئے زندگی اور موت کی حیثیت رکھتا ہے، اس لئے اس کام کو فیصلہ کن اہمیت دینی چاہئے۔

ہماری قومی، ریاستی اور اجتماعی سلامتی اس بات سے وابستہ ہے کہ ایک تو ہم ریاستی مفادات سے ہمہ آہنگ قومی قیادت کو جنم دیں اور اسے مستحکم کریں۔ دوسرے یہ کہ دوچار لاکھ بالادست افراد جن کی مراعات پر قومی خزانہ سے بڑی رقم خرچ ہوتی ہے، ان کی مراعات کو کم سے کم کر کے، ان کو سادہ طرز زندگی کی راہ پر لائیں، تاکہ یہ بڑی رقم قوم کی بہتری و بھلائی اور ان کی غربت میں کمی لانے کے مقصد میں صرف ہو سکے۔

روحانی کلچر سے استفادے کے حامل افراد کا معاشرے کا قیمتی انشاہ ہونا

غرض کہ معاشرے کا جو طبقہ اور اس طبقے کے جتنے افراد بھی روحانی کلچر کی تحریک سے فیضیاب ہوں گے، وہ نفسی خرابیوں اور نفسیاتی اور ذہنی بیماریوں سے بچکر، فکری اور عملی طور پر ملت کا قیمتی انشاہ ثابت ہوں گے، اس طرح ملک و ملت کے لئے ہر طرح کے بحرانوں سے بچاؤ کی صورت پیدا ہو گی۔

ملت کو درپیش بحران کی نوعیت

یاد رہے کہ ملت اس وقت جس بحران سے دوچار ہے، وہ کردار کا بحران ہے، وہ دولت پرستی اور مادیت پرستی کا بحران ہے، وہ امانت و دیانت کا بحران ہے، وہ ایک دوسرے کو برداشت نہ کرنے کا بحران ہے، وہ عالمی سماہو کار سے پیہے لے کر اس کے لئے کام کرنے کا بحران ہے، وہ ملت فروشی کا بحران ہے، وہ اپنی ذمہ داریوں کی عدم ادائیگی کا بحران ہے، وہ ذمہ دار افراد کی طرف سے ریاست کے وسائل کو بے دریغ خرچ کرنے کا بحران ہے، وہ عوام کو ان کی حالت زار پر رہنے دینے اور انہیں ان کی افلas کی حالت پر رہنے دینے کا بحران ہے، وہ قساوت قلبی اور مزاج کی سختی کا بحران ہے، یہ سارے بحران ایسے ہیں جنہوں نے قوم کو موجودہ حالت تک پہنچایا ہے، ان سارے بحرانوں سے بچاؤ کی صورت جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا

کہ روحانی کلچر کی تحریک سے وابستہ ہو کر، اپنی ساری نفسی اور نفسیاتی بیماریوں کا علاج کرانا ہے، اپنے آپ کو مہذب بنائ کر، سلیقہ انسانیت سے بہرہ ور ہونا ہے، اور دولت کے بت کدھ کی پرستش سے بچکر دولت کو بنیادی ضروریات کی چیزوں کے حصول کی حد تک اہمیت دینا ہے۔ یقیناً یہ سوال پیدا ہو گا کہ روحانی کلچر میں آخروہ کیا چیز ہے، جو وہ سارے بھرا نوں پر قابو پانے میں معاون ثابت ہو گا۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ روحانی کلچر دراصل انسانی شخصیت، اس کے باطن اور اس کی اندر کی دنیا کو پاکیزہ بنیادوں پر تبدیل کرنے کا کردار ادا کرتا ہے، روحانی تحریک نفس پرستی اور مادہ پرستی پر مبنی کلچر پر روحانی کلچر کو غالب کرتی ہے، جب نفس پر پاکیزہ روحانی قوت غالب ہوتی ہے تو نفس کی اہمیت اور اس کی صورت میں تبدیلی پیدا ہوتی ہے اور نفس امارہ کی حالت نفس لواحہ کی مستحکم صورت میں بدل جاتی ہے۔

ایمان اور تقویٰ کے نتیجے میں اللہ کی طرف سے ملنے والے انعامات کی خوش خبری اس سلسلے میں یہاں قرآن شریف کی کچھ آیتیں پیش کی جاتی ہیں۔

وَلَوْ أَنْ أَهْلَ الْقُرْبَىٰ أَمْنَوْا وَالْتَّقَوْا فَتَحْنَاهُ اللَّهُمَّ بِرَبِّكَاتِ مِنَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَرَادَكَيْدِ بِإِيمَانٍ
أَيْمَانَ لَا تَتَّقَىٰ إِخْتِيَارَ كَرَّتَةَ تَوَانَ كَرَّتَةَ لَنَّهُ آسَانَ وَزَمِنَ كَيْ بِرَكَاتَ كَرَّةَ (دروازے)
کھول دیئے جاتے۔

لِلَّذِينَ احْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسْنَةٌ وَلِدَارِ الْآخِرَةِ خَيْرٌ نِيَّوَكَارُوْنَ کے لئے اس دنیا میں بھی بہتری ہے تو آخرت کا گھر تو بہت ہی بہتر ہے۔

وَمَنْ يَوْمَنْ بِرَبِّهِ فَلَا يَخَافُ بَخْسَا وَلَا رَهْقًا وَرَجَوْنَنْ پِرْ رَبِّ پِرْ اِيمَانْ رَكَّتَهُ بِلَنْ انْهِيَّنْ نَكْسَ کَسِيْ نَقْصَانَ کَاخَوْفَ ہوتا ہے نہ کسی ظلم کا والو ستقاموا علی الریقہ لاسقیناهم ماء غندقا (جو لوگ ثابت قدمی سے راہ راست پر چلتے ہیں ہم انہیں خوب سیراب کرتے ہیں)۔

جدید معاشرے کی تشكیل میں جنہی اور حیوانی اجزاء غالب ہونا

اس وقت انسانی معاشرے کی تشكیل میں جنہی، جبلی اور حیوانی نوعیت کے اجزاء غالب ہیں۔ فرائیڈ نے جنسی جذبات کو انسان کا نصب العینی تقاضا قرار دیا تھا، جس کے تحت انسان کی ساری سرگرمیاں اس نصب العین کے مطابق سراخجام ہوتی ہیں، میکڈُ و گل نے انسان کو ترقی یافتہ حیوان قرار دے کر اس کی ساری سرگرمیوں کو حیوانی جذبات کی تشكیل کا مظہر قرار دیا تھا۔ ایڈلر نے انسان کا سب سے طاقتوں نصب العینی تقاضا و سروں پر برتری اور فوقیت حاصل کرنے کے جذبہ کو قرار دیا تھا، مغرب کی مادی تہذیب دراصل انہی فلسفوں کی بنیاد پر قائم ہے، ہم بھی چونکہ مغرب کے سرمایہ دار انہ نظام کے زیر اثر ہیں، اس لئے ہمارا معاشرہ بھی مادیت پرستی کے انہی عناصر سے بڑی طرح متاثر ہے۔

ہماری عملی زندگی پر ان نظریات کی گہری چھاپ کا ہونا

ہم شعوری طور پر اگرچہ ان نظریات سے متاثر نہ ہوں، لیکن ہماری عملی اجتماعی زندگی میں ان نظریات کی گہری چھاپ موجود ہے، معاشرہ اگرچہ مغرب کی طرح مادہ پرستی کا مکمل نمونہ نہیں ہے، لیکن مادہ پرستی کے گہرے اثرات کی زد میں ہے۔

fasad ma haul کا حصہ بننے سے زندگی پر پڑنے والے اثرات

یہ جو کہا گیا ہے کہ فرد معاشرے کی پیداوار ہے، جس قسم کا معاشرہ ہو گا، اسی قسم کے افراد پیدا ہوں گے، یہ بالکل صحیح بات ہے، اس لئے مادہ پرستی کے اثرات کے حامل معاشرے کے اثرات سے بچنے کی سخت ضرورت ہے، قرآن میں ہے وَلَاتَرْ كَنَوَالِيَ الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتِيسُوكُمُ الْعَادَ۔ (ان ظالموں کے قریب بھی مت پچکلو ورنہ آگ تمہیں جلس دے گی) جو فرد ایک بار fasad ma haul کے اثرات کا حصہ بن گیا، اس کے لئے عام طور پر زندگی بھرا اس کے اثرات سے نکلا مشکل ہو جاتا ہے یا جو فرد روحانی کلچر کا حصہ بن جانے کے بعد fasad ma haul سے گھر اتعلق رکھتا ہے اور دنیادار افراد سے دوستائے تعلق رکھتا ہے، اس طرح کے فرد کو بھی fasad ma haul کی کش کلچر کر روحانی کلچر سے دور کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہے، اس لئے سنجل کر چلنے کی ضرورت ہے، موجودہ ما haul کی تباہ کاریوں کی وجہ سے فرد و افراد شدید خطرات کی زد میں ہیں،

زندگی گزارنے کے استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور سکون کی ایسی زندگی عطا ہوتی ہے، جس پر ساری مادی خوشیاں پچھا رہوں۔

سرمایہ دار طبقات کا قابل رحم ہونا

عالیٰ سرمایہ دار ہو یا مقامی مالدار طبقات، وہ ہر اعتبار سے قابل رحم ہیں، اول یہ کہ دولت کے بارے میں ان کی حوصلہ کی آگ بڑھتی ہی جا رہی ہے، جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی، دوم یہ کہ دولت انہیں تکبیر اور انسانیت کی راہ پر گامزن کرتی ہے، یہ انسانیت انہیں انسانوں پر اپنی برتری و بالاتری قائم کرنے پر اکساتی رہی ہے۔ سوم یہ کہ وہ ذہنی اور روحانی سکون جیسی نعمت عظیمی سے محروم رہتے ہیں، دل میں انگارے ہیں، جوان کے دلوں پر بربستے رہتے ہیں، چہارم یہ کہ یہ دولت انہیں شہانہ اور عیاشانہ زندگی اختیار کرنے کی راہ پر گامزن کرتی ہی، پنجم یہ کہ عوام پر مہنگائی کا بوجہ بڑھانے اور اشیاء کی قیتوں میں اضافہ کے ان کے منصوبے نئی نئی صورت اختیار کرنے لگتے ہیں، ششم یہ کہ کثرت دولت میں نشوونما پانے کی وجہ سے ان کی اولاد بے راہ و ہو جاتی ہے۔ هفتم یہ کہ آخرت میں انہیں کثرت دولت کا سخت حساب دینا ہوگا۔

نہم یہ کہ غریبوں کی آئیں ان کا گھیراؤ کرتی ہیں، دهم یہ کہ دولت کی طاقت انہیں بے قابو کر دیتی ہیں، وہ آپے میں نہیں رہتے، اور انسانیت پر اپنے ذاتی مفادات پر مبنی نظام قائم کرنے کے معاملے میں وہ جری ہوتے ہیں، دولت کی وجہ سے وہ انسانی ضمیر کو خرید لیتے ہیں اور قانون وغیرہ کو بے بس بنادیتے ہیں۔

ان سارے اساب کی وجہ سے ہماری نظر میں سرمایہ دار طبقات قابل رحم ہیں، وہ ہمدردی کے مستحق ہیں۔ کاش وہ دولت کے پیدا کرده ان فتنوں کو سمجھنے اور پھر ان سے بچنے کا اہتمام کریں۔

روحانی کلچر کا سکتی ہوئی انسانیت کو بچانے کا کردار ادا کرنا

سچی روحانیت کے فقدان کی وجہ سے ایک بُلانچان جو ہورتا ہے، وہ یہ ہے کہ افراد کے باہمی تعلقات میں محبت، رواداری، خیرخواہی، ایک دوسرے کے کام آنے، نرمی، صبر، تحمل

جب تک فرد صاحب افراد کی دوستی کو مضبوطی سے نہیں پکڑے گا اور اپنے نفس پر جبر کر کے بھی مادہ پرست معاشرے کا حصہ بننے سے بچنے کے لئے کوشانہ ہو گا، تب تک اس کے بچاؤ کی صورت کا پیدا ہونا ز حدود شوار تر ہے۔

چندنوں کی زندگی کو مادہ پرست افراد اور فاسد ماحول کا حصہ بنا ناسب سے بُلا خسارہ ہے، ایسا خسارہ جس سے بڑھ کر کوئی خسارہ نہیں، آخرت میں اس پر خون کے آنسو بھانے پڑیں گے۔

ایک حدیث شریف ہے کہ فرد دوست کے دین پر ہوتا ہے پس فرد کو دوست بناتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ وہ کس کو دوست بنارہا ہے۔

دوسری حدیث شریف ہے کہ قیامت میں فرد اس کے ساتھ اٹھے گا، جس سے وہ دنیا میں دوستی رکھتا تھا۔

فاسد ماحول کا افراد کو ایک ہی فکر کا اسیر بنانا

فاسد ماحول نے افراد کی بہت بڑی اکثریت کو ایک ہی فکر کا اسیر بنادیا ہے، وہ فکر دنیا بنانے کی فکر ہے، وہ فکر مہنگائی کا مقابلہ کر کے زندہ رہنے کی فکر ہے، مہنگائی کا مقابلہ کرنے کے لئے کوشان یقیناً اہم کام ہے، لیکن روحانی کلچر کی قیمت پر دنیا بنانے کی فکر کا ہونا، اس سے سوائے اس کے کہ زندگی خیر و برکت سے محروم ہو، کوئی فائدہ نہیں ہے، بڑھتی ہوئی مہنگائی دراصل اللہ کا عتاب ہے، اس عتاب سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ اللہ پرستی کی راہ اختیار کی جائے اور اللہ سے مانگتے رہنے کی نفعیات کو بچنے کیا جائے، پھر معاشی کوششوں میں اللہ کی طرف سے برکت کی صورت پیدا ہوگی اور اس عتاب کے مانع کی صورت بھی۔

اس دور میں خوشحال مادی زندگی کا ایسا خط پیدا ہو گیا ہے وہ کسی طرح ٹوٹنے نہیں پاتا، ہر فرد اس بات کے لئے کوشان ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ وسائل حاصل ہو جائیں، یہ ساری زندگی انہی وسائل کے حصول کے خط میں صرف ہو جاتی ہے، خوشحال مادی زندگی اگر آسانی سے وقت کا کچھ حصہ صرف کرنے سے حاصل ہو تو نعمت ہے، اگر اس کے لئے وقت اور صلاحیتوں کا بغیر معمولی حصہ صرف کرنا پڑتا ہے تو یہ سخت آزمائش ہے۔

روحانی کلچر سب سے اہم کردار جو ادا کرتا ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ سے والہانہ محبت کے زیر اثر دل سے مادی زندگی کا رب اور خوف دور ہو جاتا ہے اور تھوڑے سے وسائل کے ساتھ

اس وقت دولت اور زیادہ غربت نے دونوں قسم کے افراد میں زہر سر ایت کر دیا ہے، انسانیت کو معلوم ہی نہیں ہے کہ اس کے درکامہ ادا کیا ہے۔
جدید مادی نظریات پر مبنی مادی کلچر نے آج یہ دن کھائے ہیں کہ محبوب حقیقی جوانسان کی شہرگ سے زیادہ قریب ہے، انسان اس سے بہت زیادہ دور ہو گیا ہے، اتنا دور کہ اسے یہ اور اکہی باقی نہ رہا کہ محبوب حقیقی کی محبت اس کے خون میں گردش کر رہی ہے، یہ محبت انسانیت کے رگ و ریشم میں سمائی ہوئی ہے، اس پاکیزہ محبت پر مادی محبت کو غالب کرنے اور مادی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھنے کا نتیجہ یہی نکل سکتا ہے کہ آج انسانیت نئے مسائل کے تسلیم ہے۔

روحانی کلچر میں فساد کے اصل مرکز کی اصلاح کا ہونا

روحانی کلچر میں فساد کے اصل مرکز دل کی اصلاح کا عمل ہوتا ہے، دل جسے نفس یہ غماب بنالیتا ہے، اس کی سلامتی کا اہتمام ہوتا ہے، حدیث شریف ہے کہ انسان کے اندر ایک گوشت کا لکڑا ہے، وہ اگر صحیح ہو جائے تو انسانی زندگی صحیح ہو جائے، وہ اگر خراب ہو جائے تو ساری انسانی زندگی خراب ہو جائے، گوشت کا یہ لکڑا دل ہے۔

روحانی کلچر میں دل کو اللہ کی محبت سے سرشار کر کے، اسے پاکیزہ بنایا جاتا ہے اور انسانی زندگی کے بیشتر معاملات میں دل کے فتویٰ کو طاقتوں بنایا جاتا ہے۔
جب روحانی کلچر سے عمومی استفادہ کا راجحان پیدا ہو گا تو اس سے گھروں اور خاندانی زندگی میں پیدا شدہ افتراق، تلخیاں اور دریاں دور ہوں گی، آپس کی محبت کو فروع حاصل ہو گا، اہل سیاست میں ایک دوسرے کے لئے رواداری، نرمی اور خیر سکالی کے جذبات پیدا ہوں گے، اس طرح ہماری سیاست خلفشار سے نجات جائے گی، انتظامیہ سے وابستہ افراد میں احساس ذمہ داری پیدا ہو گی اور عوامی مسائل کے حل کے لئے ان میں بے غرضی پیدا ہو گی باصلاحیت اور ذہین افراد عالمی سماں ہو کار سے پیسے لے کر ان کے مقاصد کے لئے کام کرنے سے انکار کریں گے اور ملت کے مفادات کی لئے اپنی صلاحیتوں کو مخصوص کریں گے، روحانی کلچر انہیں ایسا کرنے پر مجبور کرے گا۔

بردباری، غریبوں کی پرسان حالی جیسی پاکیزہ چیزیں باقی نہ رہی ہیں، جس کی وجہ سے نفسانی کی فضاعمال ہو گئی ہے، اخلاص اور بے لوٹی پر مبنی دولتی کی روایت رخصت ہو گئی ہے، تعلقات میں مفاد پرستی اور خود غرضی کا غصہ، بہت زیادہ بڑھ گیا ہے، سلیقه انسانیت اور آداب انسانیت جیسے جو ہر نایاب ہو گئے ہیں، حسد و جلن کی نفیسیات میں اضافہ ہو گیا ہے، اپنی ذات کے علاوہ دوسروں کے بارے میں سوچنے اور ان کی خبرگیری کا ہمارا روایتی عمل مادیت پرستی کی نظر ہو گیا ہے۔

ان ساری خرابیوں کا مادا اور ان بیماریوں کا علاج اللہ پرستی پر مبنی روحانی کلچر کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے، روحانی کلچر سکتی ہوئی انسانیت کو بچانے کا کردار ادا کر سکتا ہے۔

لیکن دکھ کی بات یہ ہے کہ ہم مادیت پرستی اور عقليت پرستی کے ماحول کے زیر اثر اپنے پاکیزہ روحانی کلچر سے اتنا دور حلے گئے ہیں کہ اس کی طرف واپسی اللہ کے فضل خاص سے ہی ممکن ہے، اگرچہ حادثات اور آفاتیں بھی افراد کو سکھانے کا ذریعہ نہیں ہیں، کاش کہ ہم حادثات اور آفتوں سے سچھنے اور سمجھنے کے لئے تیار ہوں۔

کثرت دولت اور زیادہ غربت دونوں کا آزمائش ہونا

اس لکھتے کا سمجھنا ضروری ہے کہ دولت کا زیادہ ہونا بھی بڑی آزمائش ہے کہ اس سے فرد کی شخصیت بے قابو ہونے لگتی ہے، اور وہ انسانوں کے خلاف سازشوں کے تانے بنے بُنے لگتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ زیادہ غربت بھی بڑی آزمائش ہے کہ اس سے فرد دوسروں کا محتاج ہن جاتا ہے اور اس کی عزت نفس متأثر ہوتی ہے، نیز اس سے آخرت بنانے کی قدر میں کمی واقع ہونے لگتی ہے، لیکن اللہ پرستی پر مبنی روحانی کلچر سے گہری وابستگی ایسی عظیم نعمت ہے کہ ان دونوں قسم کی آزمائشوں سے بچاؤ کی بہتر صورت پیدا ہونے لگتی ہے اور زندگی میں صبر، شکر، توازن، ٹھراو، خیر و برکت اور تھوڑے پر راضی رہنے اور دنیا ہونے کے باوجود فقر کا مزاج پیدا ہونے لگتا ہے۔

انسانیت کانت نئے مسائل کے تسلیم جانا

حقیقت یہ ہے کہ روحانی کلچر کے جتنے بھی فوائد بیان کئے جائیں، کم ہیں۔

یہ امراض ایسے ہیں، جس کی وجہ سے راہ محبت کی طلب ختم ہو جاتی ہے، طلب ختم ہونے کی وجہ سے یہ راہ مسدود ہو جاتی ہے، البتہ فرد کے کسی نیک عمل یا کسی دعا کی وجہ سے اگر اس پر اللہ کا فضل شامل ہو جائے اور طلب پیدا ہو جائے، اور فرد توہبہ تائب ہو کر وحانی کلچر کا حصہ بن جائے تو ایسا ہو سکتا ہے، لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ سچی توہبہ ہو اور آئندہ گناہوں سے بازآجائے کا پختہ عزم ہو۔

روحانی کلچر سے والبنتی

کا ایک مستقل عمل ہونا

واضح ہو کہ اللہ کی راہ محبت یا روحانی کلچر سے والبنتی ایک مستقل عمل ہے، اس کے لئے مستقل مزاجی کی ضرورت ہے اور عادتوں کے پرانے نظام پر نظر ثانی کی ضرورت ہے، اگرچہ عزم موجود ہے، تو روحانی کلچر فرد کو اخ خود مادیت اور نفس پرستی کی دلدل سے نکال کر اللہ پرستی کی راہ پر گامزن کرنے میں فیصلہ کن کردار ادا کرے گا۔

اللہ کی راہ محبت میں بعض ضروری تدابیر

اس کے لئے اہم تدبیر اختیار کرنا انتہائی ضروری ہے، پہلی تدبیر مادہ پرست اور دنیا در دوستوں سے دوستانہ تعلقات کو مقطوع کرنا ہے، دوسرا تدبیر اہل اللہ سے صحبت اور رابطہ کو قائم رکھنے کے کوشش ہونا ہے، تیسرا تدبیر ذکر و فکر کے روزانہ کے معمول کو جاری رکھنا اور اس میں رفتہ رفتہ اضافہ کرتے رہنا ہے، چوتھی تدبیر فرائض و واجبات پر عمل پیرا ہونے میں مستعدی کا مظاہرہ کرنا ہے، اگرابت میں فرائض کی ادائیگی پر نفس آمادہ نہ ہو، تو نفس پر جر کر کے بھی فرائض سر انجام دینے پڑے، پانچوں تدبیر کم بولنے کے لئے کوشش ہونا ہے، اس لئے کہ مبتدی طالب کی زبان بے قابو ہونے لگتی ہے، بے قابو زبان سے زیادہ گناہ ہونے لگتے ہیں جس سے دل میں سخت کدورت پیدا ہونے لگتی ہے۔

کثرت گوئی کے حامل فرد کا راہ محبت کے سفر کا دشوار ہونا

ذہانت چہاں انعام ہے، وہاں وہ آزمائش بھی ہے، ذہین فرد اپنی ذہنی و علمی برتری کا اظہار کثرت گوئی کے ذریعہ کرتا ہے، اظہار گفتگو ہوتی ہے، لیکن بیاطن یہ بات ہوتی ہے کہ لوگوں پر میری ذہانت، میری زمانہ سازی اور میری علمی صلاحیتوں کا چرچہ ہو، اس طرح حلقة احباب میں میری عزت و شہرت ہو۔

دل کی سلامتی سے اللہ کے سامنے جواب دہی کا احساس غالب ہو جائے گا اور اللہ کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں حسایت میں اضافہ ہو گا، آخرت کا منظر سامنے نظر آئے گا، اس لئے آخرت کی فکر مندرجہ دوسری ساری فکر مندرجہ پر حاوی ہو جائے گی۔

اللہ کی محبت یعنی سچی روحانیت

کی راہ میں حائل ہونے والے اعمال

اللہ سے والبنتہ محبت کی راہ جو سچی روحانیت یا روحانی کلچر کا لازمی نتیجہ ہے، وہ اس دنیا میں اللہ کا سب سے بڑا انعام ہے، اس لئے کہ اس سے کردار میں پاکیزگی اور رونق پیدا ہوتی ہے، اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہونا دستور العمل ہو جاتا ہے، زندگی مخصوص اللہ کے لئے جیتنے اور مرنے کا نمونہ بن جاتی ہے، دل میں آسائش اور راحت کے مادی سامان سے کراہت پیدا ہونے لگتی ہے، دوسرے الفاظ میں مادی دوڑ میں شرکت سے طبعی مناسبت باقی نہیں رہتی، اللہ کی اس محبت یعنی روحانی کلچر کا حصہ بننے کی راہ میں جو چیزیں حائل ہیں، یعنی فرد و افراد جن خرابیوں کی وجہ سے راہ محبت سے روک دیئے جاتے ہیں ان میں سے چند چیزوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) ذکر و فکر سے عرصہ تک دو ری کی روشن کا اختیار کرنا، جس کی وجہ سے دل اور ذہن میں ذکر کے لئے گنجائش کا نہ ہونا (۲) اللہ والوں کو حقیر سمجھنے کی نفسیات کا ہونا (۳) لوگوں کی دل آزاری کے عمل کا معمول ہو جانا (۴) رشتہ، لوث مار، ناجائز کار و بار کے ذریعہ دولت کا نہ کی روشن کا ہونا (۵) مادی کلچر کے مناظر سے محفوظ ہونے کی روشن کا عام ہونا (۶) مادی کلچر کے علمبرداروں کو اچھا سمجھنا اور ان کے قوی اور کار و باری اخلاق کی وجہ سے انہیں مسلمانوں سے بہتر سمجھنا، (۷) مزاج میں تشدد کا غالباً ہونا، اور آئے دن اس کا مظاہرہ کرتے رہنا (۸) مادہ پرست یا آخرت کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دینے والے افراد سے دوستی کے مراسم کو قائم رکھنا، (۹) جنسی بے راہ دو ری کا شکار ہونا (۱۰) اللہ کی غریب مخلوق کو حقارت کی نظر سے دیکھنا اور ان سے اس طرح کا مظاہرہ کرنا (۱۱) فاستوں اور فاجرین کی تعریف کرتے رہنا، حدیث شریف کے مطابق ایسا کرنے سے آسمان دہل جاتا ہے، (۱۲) مال کی محبت کا مزاج کا حصہ ہونا اور اس محبت سے کسی قیمت پر دستبردار نہ ہونا (۱۳) تکبر اور اناتیت کے مرض میں مبتلا ہونا (۱۴) خود شائی اور خود نمائی کے مرض میں مبتلا ہونا وغیرہ۔

کثرت گوئی کوئی ایک مرض نہیں ہے، بلکہ کئی امراض کی جڑ ہے، گلاغیت، اپنی رائے پر غیر ضروری ضد کا ہونا، غیر ضروری باتیں، وقت کا خیال، دعویٰ، دل میں پیدا ہونے والی کدورت، اس کی وجہ سے وقت طور پر ذکر کا سلب ہونا وغیرہ کثرت گوئی کے یہ اور اس طرح کے کئی نقصانات ہیں، اس لئے راہ سلوک و راہ محبت میں مبتدی اور متوسط طالب کے لئے زیادہ گفتگو کی شدت سے ممانعت ہے، بچ جب بولنے کا سلیقہ سیکھتا ہے، اس کے بعد ہی بولتا ہے، طالب جب نفس کو زیر کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہوتا ہے تو اس کے بعد جب وہ بولتا ہے تو اس کی گفتگو میں نور ایت اور حکمت شامل ہوتی ہے، حدیث شریف ہے کہ جو خاموش رہا، اس نے نجات پائی، دوسری حدیث شریف ہے کہ اسلام کا حسن یہ ہے کہ غیر ضروری یا توں کو چھوڑ دیا جائے، ایک اور حدیث شریف ہے کہ تم مجھے زبان اور شرم گاہ کی تھانت دو تو میں تم کو جنت کی خوشخبری دیتا ہوں۔ خاموشی سے تفکر وجود میں آتا ہے، تفکر سے متوجہ الی اللہ ہونے کا مکملہ راست ہونے لگتا ہے۔

اس بیان سے یہ سمجھنا صحیح نہ ہو گا کہ ہر طرح کی گفتگو سے پرہیز ضروری ہے، جو طالب راہ محبت میں چلتا ہے، اسے بہت سارے مسائل و مشکلات کا سامنا کرنے پڑتا ہے، یا حالات و مسائل کے بارے میں صحیح نقطہ نگاه معلوم کرنے کے لئے گفتگو ضروری ہے، تاکہ صحیح سمت میں ذہن سازی کا عمل جاری رہے۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ گفتگو ہنر برتری کے مظاہرے اور گفتگو پر ایے گفتگونہ ہونی چاہئے، جس طرح مذکورہ بالا حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ غیر ضروری گفتگو کو چھوڑ دیا جائے اللہ کی محبت کے رازدان فرد کا درداشنا ہونا

اللہ کی محبت، فرد کو درداشنا بنا دیتی ہے، بلکہ یہ کہا جائے تو صحیح ہو گا کہ وہ سر اپادرد بن جاتا ہے، انسانیت کا درد غریبوں کا درد، اللہ کی محبت سے دروہنے والے افراد کا درد، آخرت کے حوالے سے انسانیت کی حالت زار کا درد، اللہ کے لئے درد اور اس کے لئے بے قراری، اللہ کی محبت میں آگے بڑھنے کا درد و فکر مندی۔

یہ درد اللہ کی محبت کے رازدان فرد کو تو واضح اور انکساری کا نمونہ بنادیتی ہے۔ ان سبارے دردوں کے حامل فرد کی زندگی عجیب غریب ہوتی ہے، وہ انسانیت کی حالت زار پر شدید غم زدہ ہو جاتا ہے، اخلاقی اور روحانی طور پر انسانیت کی پستی اسے بے قرار کر دیتی ہے، وہ چاہتا ہے کہ کاش کہ درد کے یہ کچھ نہ کچھ اجزاس بوجائیں، تاکہ انسانیت ایک دوسرے کے درد میں حصہ دار بن سکے۔

انسانیت کو دولت کے حرص کے نتیجے میں ملنے والی سزا

مادی کلچر نے انسانیت کو سب سے بُرا تھنہ جو دیا ہے، وہ دنیا کی حرص وہ سب کا بعد ہے، جو لوگ بھگ ہر باصلاحیت اور ذہین فرد کے ذہن میں سما گیا ہے، جس کی وجہ سے ساری سرگرمیوں کا رخ مادیت بن گئی ہے، جب کہ اسلام کے روحانی کلچر کی سب سے بڑی خاصیت یہ ہے کہ وہ دنیا کے بارے میں دل کو سرد کر دیتا ہے، اس وقت دنیا کی حرص کی تپش نے انسانوں کو جلا کر کھو دیا ہے، حکیم الامت مولانا تھانوی نے قرآن کی ایک آیت کے ترجمہ کی تفسیر میں اہم نکتہ بیان کیا ہے آیت کا ترجمہ اس طرح ہے۔

ہم ان کو قریب کا عذاب بھی بڑے عذاب سے پہلے دیں گے تاکہ یہ لوگ بازا جائیں
(سورہ السجدہ آیت نمبر ۲۳)

تشریح میں لکھتے ہیں کہ بعض نے کہا ہے کہ ادنیٰ عذاب دنیا کی حرص ہے، اور اکابر عذاب (بڑا عذاب) اس حرص پر جو سزا ہو گی (وہ ہے)۔

دنیا پر ٹوٹ پڑنا، کروڑ ہا انسانوں کو دولت جمع کرنے کی خاطر دو وقت کی روٹی کا محتاج بنانا، دولت کی خاطر انسانیت کو پامال کرنا، دولت کے جنون کی خاطر انسانیت کی صفوں میں ماتم برپا کرنا، قوموں پر شدید ترین مہنگائی مسلط کرنا یہ سرمایہ داری کا سب سے بُرا تھنہ ہے، جو اس نے انسانیت کو دیا ہے، یہ ظاہر تو عامی سرمایہ داری نظام کا نتیجہ ہے، لیکن یہ دراصل دنیا کی حرص اور اس سے محبت کی سزا ہے، جو قدرت کی طرف سے انسانیت کو دی گئی ہے، یہ سزا اس لئے دی گئی ہے تاکہ انسانیت دنیا کی حرص وہ سے بازا کر اللہ کی محبت اور آخرت کی زندگی کو ترجیح دے تو اس کے نتیجے میں انسانیت کو وافر سہوتوں سے نوازا جائے گا، اس کی صورت یہ ہے کہ اسلام کے رحمت کے سامنے میں پناہ لی جائے اور اسلام کے روحانی کلچر کا حصہ بنا جائے،

جس سے دنیا کی حرص و ہوس، اس کی وقعت و اہمیت ختم ہو جائے گی، اور دولت کو ضرورت کی چیزوں کے حصول سے زیادہ اہمیت نہیں دی جائے گی۔

اسلام کار و حانی کلچر اس گئے گزرے دور میں بھی اپنا کردار ادا کر رہا ہے کہ معاشرے کے جو افراد بھی اس کلچر سے وابستہ ہیں اور ذکر و فکر اور عبادت کے مجاہدوں سے کام لے رہے ہیں، ان کے دلوں میں دنیا اور سامان راحت کی کوئی وقعت نہیں، انہیں دنیا خوف زدہ کرنے اور بے یقین اور ذہنی دباؤ کی حالت پیدا کرنے میں ناکام ہے، وہ خوشی مسرت و حلاوت کی ایسی زندگی گزار رہے ہیں کہ حرص و ہوس کے حامل افراد کو اس حلاوت کا ہزارواں حصہ بھی حاصل نہیں۔ دولت کی حرص و ہوس جو قرآنی تفسیر کی رو سے چھوٹا عذاب ہے، جو اس وقت پوری انسانیت پر مسلط ہے، روحانی کلچر اس عذاب سے بچاؤ کی صورت ہے، یہ انسانوں کا اپنا کام ہے کہ وہ بچاؤ کی یہ صورت اختیار کر کے، حرص و ہوس کی آگ سے گلو خلاصی حاصل کریں، وہ صورت جیسا عرض کیا گیا کہ اسلامی طرز معاشرت اور اسلامی طرز معیشت اختیار کی جائے اور اسلام کے روحانی کلچر میں پناہ لی جائے، سادہ طرز زندگی اختیار کی جائے اور تعش پر مبنی انڈسٹری بنڈ کر دی جائے، نفس پرستی کی بجائے اللہ پرستی کی راہ اختیار کی جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ جسے دولت کی حرص دی گئی، اسے دنیا میں سب سے بڑی سزا دی گئی، اس وقت چونکہ کروڑہا نہیں، اربہا انسان دنیا کی حرص و ہوس اور اس کی بہتانات کی بیماری میں مبتلا ہیں، اس لئے ان پر سرمایہ داری نظام کو مسلط کر دیا گیا ہے۔

اب اگرچہ سرمایہ داری نظام اپنے دن پورے کر چکا ہے، اس لئے کہ اس نے انسانیت کو روئی تک کا مختان بنا دیا ہے، لیکن انسانیت نے اگر اللہ کی طرف رجوع کی صورت اختیار نہیں کی تو خطرہ ہے کہ قدرت کی طرف سے اس عذاب سے بڑھکر عذاب مسلط نہ کر دیا جائے، اس لئے انسانیت کے لئے لمحہ فکر یہ ہے کہ وہ اپنے طرز فکر اور طرز عمل کو بدالے۔

معاشرے کے ذہین اور باصلاحیت فرد کی حالت زار۔ لمحہ فکر یہ

ملک کے ایک معروف اسکالر (جنہوں نے ٹی وی چینل پر مذہبی پروگرام کو متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کیا تھا، جن کا انقال ہوا ہے، اللہ ان کی مغفرت فرمائے) موصوف کی زندگی کے آخری سال شدید ذہنی دباؤ میں گزرے، انہوں نے تین شادیاں کیں، یکے بعد دیگرے تینوں ناکام ہوئیں، اس کے جو اثرات ان کے ذہن پر پڑے، اس کا اندازہ ان کے آخری دور کے اخباری بیانات سے ہوتا رہا ہے، ذہنی دباؤ، طبیعت میں اشتعال اور بے قابو پن کی یہ حالت کسی ایک آدھ اسکالر کی نہیں، بلکہ لگ بھگ ہر ذہین اور باصلاحیت فرد اس صورتحال سے دوچار ہے، دولت اور معاشری خوشحالی بھی طبیعت کے اس بے قابو پن اور ذہنی دباؤ سے بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی، مذکورہ معروف اسکالر کے بارے میں خبروں میں بتایا گیا تھا کہ اس کے پاس دولت و افر مقدار میں جمع ہو گئی تھی۔

بات یہ ہے کہ اپنے پاکیزہ روحانی کلچر سے بھر پور استفادہ کئے بغیر افراد کے مزاج میں نہ تو ٹھہراؤ پیدا ہو سکتا ہے اور نہ ہی نفسی قوتوں پر قابو پانے میں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے، اس صورت میں روح ہر وقت بے چین اور بے قرار رہنے لگتی ہے، وہ اپنے ساتھ دل، دماغ، مزاج اور نفیات میں بھی خلفشار پیدا کرنے کا ذریعہ بنتی ہے، اپنے پاکیزہ روحانی کلچر سے دوری کی یہ سزا تو دنیا میں ملتی ہے، آخرت میں اس کی جو سزا ملے گی وہ بہت سخت ہو گی کہ روح محبوب کو دیکھنے اور ان سے کلام کرنے کے لئے بے چین ہو گی، اس موقع پر اسے دھمکی دی جائے گی کہ نہ تجھ سے کلام ہو گا، نہ تیری طرف دیکھا جائے گا، نہ ہی تیر اڑکیہ ہو گا۔

ہم اگر چاہتے ہیں کہ دنیا میں ہر طرح کے فکری انتشار سے بچاؤ کی صورت پیدا ہو، قلبی سکون کی نعمت عظیمی حاصل ہو، مزاج میں ٹھہراؤ اور اعتدال پیدا ہو اور سلیقہ انسانیت سے بہرہ دوری حاصل ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے پاکیزہ روحانی کلچر (جو اسلامی تعلیمات کا عطہ ہے) اس سے بھر پور استفادہ کریں۔

دوسری صورت میں خطرہ ہے کہ ہمارا معاشرہ کہیں مغرب کی طرح ذہنی اور نفیاتی مرايضوں کے معاشرے میں تبدیل نہ ہو جائے۔

اللہ والوں کے ہاں ریاست اور معاشرے کو تبدیل کرنے کا خاکہ

دجالی تہذیب کے علمبرداروں کی طرف سے مادیت کے جنون کا زور سے پھونکا جانا

موجودہ دور میں دجالی تہذیب کے اثرات اتنے ہمہ گیر اور اس کے مسموم اثرات اتنے زیادہ ہیں کہ حقیقی ایمان کی دولت اور تقویٰ کی صفت سے بہرہ و رافراد کے علاوہ دوسروں کے لئے اس تہذیب کے مسموم اثرات سے بچنا ممکن نہیں۔ دجالی تہذیب نے مادیت کے جنون کو اس زور سے پھونکا ہے کہ لگ بھگ ہر فرد مادی زندگی کے بارے میں نہ صرف مضطرب ہے، بلکہ اس کے لئے تڑپ رہا ہے اور اپنے معاشی مستقبل اور اپنی اولاد کی بھتر مادی زندگی کے لئے ہمارا بھروسہ نہیں۔ دجالی تہذیب کے چینی کے انگاروں سے چھاؤ کی صورت پیدا ہوگی اور نہ ہی ریاست اور معاشرہ فساد، افرا تفری، اور اللہ کے عتاب سے ٹھوڑا سکے گا، اس لئے کہ اقتدار سے والبستہ مؤثر طبقات کی اخلاقی اور روحانی خرابیاں سارے معاشرے کو اپنی لپیٹ لے کر معاشرے میں ہمہ گیر بگاث پیدا کرنے کا ذریعہ بنتی رہیں گی، اور ان کی اختیار کردہ غلط پالیسیوں کی وجہ سے بڑھتی ہوئی مہنگائی سے عوام کی زندگی و بال بن جائے گی، اور غریب لوگوں کی آبیں ان کا گھیرا او کر کے، خود ان کی زندگی کو اجریں بنادیں گی۔

پھر دنیا میں انسان کی حقیقی ضروریات بھی محضر ہیں، اگر فردا سادگی سے زندگی گزارنا چاہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے محضر وسائل میں بھی برکت ڈال دی جاتی ہے، لیکن دجالی تہذیب نے لگ بھگ ہر فرد کو دنیا کی حرص اور بہتان کی بیماری دے کر، اسے سراپا دنیا میں مگن کر دیا ہے، دجالی تہذیب کے ان ہمہ گیر اور مسموم اثرات سے بچاؤ کی ایک ہی صورت ہے کہ اپنے پاکیزہ روحانی کلپھر کے درٹے سے چمنا جائے اور اپنے مولا سے اتنا گمراحت قائم کیا جائے کہ سارے مادی بتوں سے دستبردار ہو کر، اسی کا ہوا جائے، اس سے مادی تہذیب کے ہر طرح کے مسموم اثرات سے بچاؤ کی صورت بھی پیدا ہو جائے گی تو قبی سکون کی نعمت عظمی بھی حاصل ہوگی۔

یہاں قرآن کی بہت ساری آیتوں میں سے دو آیتیں پیش کی جاتی ہے تاکہ اللہ کے وعدوں کا استحضار موجود رہے و من یتّق اللہ یجعله مخرجاً و یرزقہ من حیث لا یحتسِب (اور جو تقویٰ اختیار کرتا ہے، اللہ اس کو مشکلات سے نکلنے کے راستے پیدا کرتا ہے اور اس کی روزی کا انتظام ایسی جگہ سے کرتا ہے کہ اس کے وہم و مگان میں بھی نہیں ہوتا)۔

وَمَنْ يَتّقِ اللَّهُ يَجْعَلُهُ مِنْ أَمْرَةِ يُسْرٍ (اور جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ اس کے کاموں میں آسانی پیدا کرتا ہے)۔

اللہ والوں کے ہاں ریاست اور معاشرے کو سختنہ بنیادوں پر تبدیل کرنے کے لئے جو پروگرام موجود ہے، اس کا تعلق معاشرے کے مقدار اور مؤثر طبقات سے والبستہ افراد سے ہے، جب تک یہ مؤثر طبقات اپنی زندگی میں موجود غیر معمولی خلا محسوس کر کے، اس خلا کو پُر کرنے کے لئے اہل اللہ کی طرف رجوع ہو کر، ان سے روحانیت کے اجزاء حاصل نہ کریں گے اور روحانی کلپھر سے کسی حد تک فیضیاب نہ ہوں گے، تب تک نہ قوان کے لئے اضطراب، ذہنی دباؤ، روحانی طور پر بے چینی کے انگاروں سے چھاؤ کی صورت پیدا ہوگی اور نہ ہی ریاست اور معاشرہ فساد، افرا تفری، اور اللہ کے عتاب سے ٹھوڑا سکے گا، اس لئے کہ اقتدار سے والبستہ مؤثر طبقات کی اخلاقی اور روحانی خرابیاں سارے معاشرے کو اپنی لپیٹ لے کر معاشرے میں ہمہ گیر بگاث پیدا کرنے کا ذریعہ بنتی رہیں گی، اور ان کی اختیار کردہ غلط پالیسیوں کی وجہ سے بڑھتی ہوئی مہنگائی سے عوام کی زندگی و بال بن جائے گی، اور غریب لوگوں کی آبیں ان کا گھیرا او کر کے، خود ان کی زندگی کو اجریں بنادیں گی۔

اس لئے ضروری ہے کہ معاشرے کے مقدار اور مؤثر طبقات اپنی داخلی زندگی میں موجود زبردست خلا ہو کر محسوس کرنے کے لئے غور و فکر سے کام لیں اور اپنے طرز فکر اور طرز عمل میں تبدیلی پیدا کر کے، روحانی کلپھر سے بھر پور استفادہ کر کے، ریاست کے لئے ایسی پالیسیاں اختیار کریں، جو ہمارے پاکیزہ تہذیبی و روشی کا حصہ ہیں، اس سے معاشرہ ایک تو سختنہ خطوط پر اوال رواں ہو گا وسرے یہ کہ قدرت کی طرف سے خوشحالی کا ایسا درور شروع ہو گا کہ سارے غم غلط ہو جائیں گے اور وہ منظر پیدا ہو گا جسے قرآن نے ذیل کی آیت میں بیان فرمایا ہے ولو ان اہل القریٰ أَمْنَا وَالْتَّقَوُا اللَّهُ نَعِمَ بِرَبِّكُوكُمْ بِرَبِّكُوكُمْ بِرَبِّكُوكُمْ (اگر یہ بستی والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ان کے لئے آسمان اور زمین کی رحمتوں کے دروازے کھول دیتے جائے)۔

ہمارا ایمان رسمی نوعیت کا ہے اور تقویٰ بھی نہ ہونے کے برابر ہے، روحانی کلپھر سی ایمان کو حقیقی ایمان کی صورت دینے کا ذریعہ بنتا ہے اور افراد میں تقویٰ کی استعداد پیدا کرتا ہے۔

اللہ کے اس وعدے کے باوجود اپنی زندگی کو پاکیزہ بنیادوں پر تبدیلی کی راہ پر نہ لانا یہ دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں غیر معمولی خسارہ کا سودا ہے۔

ہماری قومی زندگی

خوف وہ راں کے سایوں کا بڑھتے جانا

ہماری قومی زندگی میں خوف وہ راں کے سایوں بڑھتے ہی جا رہے ہیں، اداسی اور حالت بے بی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، بے برکتی نے ہماری قومی زندگی کا احاطہ کر لیا ہے، ہماری حالت بالکل اس بستی کی سی ہوئی ہے، جس کا قرآن میں ایک جگہ ذکر ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اس بستی والوں کو روزق کی فراوانی عطا کی گئی تھی، پھر جب اس بستی والوں نے ہماری نافرمانی کی روشن اختیار کی تو ہم نے اس پر تنگ دستی کی حالت غالب کر دی۔

مہنگائی نے ایک انہائی مختصر طبقے کے علاوہ پوری قوم کے سارے طبقات کو ہلا کر رکھ دیا ہے، ہر گھر میں اس بات کا رونار و یاد جا رہا ہے کہ بچا اور گیس کے بڑھتے ہوئے بل کہاں سے ادا کئے جائیں، پورے ملک کا کار و باری طبقہ سخت پریشان ہے کہ مہنگائی کی وجہ سے لوگوں میں قوت خریدنے ہونے سے اس کا کار و بار کسے چلے گا۔

اس ساری صورتحال میں سب سے دکھ کا پہلو یہ ہے کہ اللہ اور اس کے بندوں سے اپنے معاملات کو درست کرنے اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں فخر مندی نہ ہوئے کے برابر ہے، دنیا کی حرث و ہوس میں کوئی کمی وافع نہیں ہوئی، مفاد پرستی کے رجحان میں لمبی کی بجائے اضافہ ہی ہوا ہے، اللہ سے محبت کے رشتے کو قائم کرنے کا رجحان نہ ہونے کے برابر ہے۔

اس ساری صورتحال دراصل کردار کے بجران کی وجہ سے ہی پیدا ہوئی ہے اور کردار کا بجران اجتماعی بے حسی اور حقیقی فخر مندی سے محرومی کا نتیجہ ہے۔ اس سلسلے میں یہاں دو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں، ایک حدیث شریف ہے کہ تم اگر اپنے اوپر ایک ہی فکر (اللہ کی فکر آخرت کی فکر) اللہ کی رضامندی کی فکر کو غالب کرو اللہ تمہاری ضروریات کے لئے کافی ثابت ہو گا۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ تم کس وادی میں بھکتی پھر دے گے۔

دوسری حدیث شریف اس طرح ہے جس فرد کا مقصود دنیا ہو، اللہ اس کے کام بکھیر دیتا ہے اور اس کا فقر (متباہی) اس کے سامنے کر دیتا ہے، حالانکہ اسے دنیا اتنی ہی ملتی ہے، جتنا اس کا مقدر ہے اور جس فرد کا مقصود آخرت ہو، اللہ اس کے کام بنا دیتا ہے اور اس کے دل میں استغنا (یعنی دنیا سے بے نیازی کی حالت) پیدا کر دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے۔

ہم اگر ان دو احادیث پر غور و فکر کریں تو ہمیں واضح طور پر معلوم ہو گا کہ ہماری حالت متباہی، ہماری بے بی، سود در سو کے ذریعہ حاصل ہونے والے قرضوں پر گزارہ کرنے کی ہماری روشن یہ سب نتیجہ ہے اللہ سے دوری کا اور فکر آختر سے محرومی کا اور دنیا کو مقصود بنانے کا اور مقتدر طبقات کی طرف سے آسائش و راحت کی زندگی گزارنے کا۔

دو قسم کی تہائیاں

ایک باعث عتاب، دوسری باعث رحمت کا ہونا

دور جدید کے عالمگیر مسئلے کا جائزہ

تہائی دو قسم کی ہوتی ہے، ایک تہائی ڈپریشن کا نتیجہ ہوتی ہے، جس میں فرد عزیز وقارب اور دوست و احباب سے کٹ جاتا ہے اور وہ اداسی، زندگی سے مایوسی اور شدید احساس تہائی کا شکار ہو جاتا ہے، یہ تہائی ڈپریشن میں اضافہ کرتی ہے اور فرد کو شدید غم زده بنادیتی ہیں، اس طرح کی تہائی میں فرد پر خود کشی کے خیالات غالب آجاتے ہیں، جدید دور میں سو شل میڈیا فرد و افراد کو اس طرح کی تہائی کی طرف لے جاتی ہے کہ عزیز وقارب دوست و احباب سے اس کا رشتہ کٹ کر اسے مادی حسن پر فریغتہ بنادیتی ہے، چونکہ مادی حسن روح کو مطمئن کرنے میں ناکام رہتا ہے، اس لئے اس طرح کی تہائی فرد کے لئے شدید خطرے کا موجب بن جاتی ہے اس طرح کی تہائی سے ذہنی امراض بھی جنم لیتے ہیں۔

تہائی کی دوسری قسم وہ ہے، جس میں محبوب حقیقی سے محبت کے نتیجہ میں فرد پر تہائی طاری ہوتی ہے، بالخصوص متوسط طالب چاہتا ہے کہ روح کو اپنی اصل غذا دینے کے لئے وہ ضروری کاموں کو سرانجام دینے کے بعد باقی وقت محبوب حقیقی کے ساتھ راز و نیاز کی حالت میں گزارے۔ اس طرح کی تہائی میں اندر میں غوط زنی سے کام لینا پڑتا ہے، ذکر و فکر اور مراقبہ سے کام لینا پڑتا ہے، انوارِ الہی سے محظوظ ہونے کے لئے دل کی گہرائیوں میں ڈوبنا پڑتا ہے، تہائی کا یہ وقت طالب کے لئے دنیا جہاں کی خوشیوں پر بھاری ہوتا ہے، اس طرح کی تہائی فرد پر سب سے بڑا انعام ہوتی ہے، جو محبوب کی طرف سے اسے عطا ہوتی ہے۔ اس طرح کی تہائی کے دوران طالب محسوس کرتا ہے کہ کیا دنیا میں اس سے بڑھ کر بھی خوشی ہو سکتی ہے۔

اس تہائی میں فرد ضروری کام بھی سرانجام دیتا ہے، عزیز وقارب اور دوست و احباب سے تعلقات بھی قائم رکھتا ہے، لیکن اس کا دل محبوب کی طرف اٹکا ہوا ہوتا ہے، وہ چاہتا ہے

کہ وہ ضروری کاموں سے جلد سے جلد فارغ ہو کر ذکر و فکر کے ذریعہ اندر میں غوطہ زن ہو کر، محبوب حقیقی کے انوار حسن سے محظوظ ہو، اور محبوب سے زیادہ قرب کا مقام حاصل کرے۔

اس طرح کی تہائی فرد کے دل و دماغ، اعصاب نفیسیات اور مزاج میں ٹھہرا اور توازن پیدا کر دیتی ہے اور اس کی شخصیت پر انوار کے اثرات کو غالب کر دیتی ہیں، جس سے زندگی جنت کا منظر بن جاتی ہے۔

آج انسانیت کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہ نفسیاتی نوعیت کے امراض کا شکار ہو گئی ہے، ہر تیسرا فرد ذہنی دباؤ اور نفسانی مسائل سے دوچار ہے، اسے معلوم ہی نہیں ہے کہ نفسیاتی نوعیت کی ان بیماریوں سے بچاؤ کے لئے شب و روز کا کچھ وقت گوشہ نشینی اختیار کر کے، محبوب حقیقی سے راز و نیاز کا تعلق قائم کر کے، دل اور روح کو مستحکم کیا جائے، ایسا کرنے سے ساری نفسیاتی نوعیت کی بیماریوں سے نہ صرف شفا یابی حاصل ہو گی، بلکہ حلاوت اور خوشیوں سے سرشار نئی زندگی نصیب ہو گی، جس پر دنیا کی ساری خوشیاں اور سونتی زندگیاں قربان کی جا سکتی ہیں۔

ہر انسان لا زوال خوشیوں کا طالب اور خواہشمند ہے، اسے محسوس ہوتا ہے کہ اسے یہ خوشیاں دولت کے ذریعہ حاصل ہونے والے سامان راحت سے ہی حاصل ہو سکتی ہیں۔ لیکن سامان راحت اور دولت سے جلد ہی اس کا دل بھر جاتا ہے اور سکون کے لئے وہ نشہ کا سہارا لینے لگتا ہے، اس طرح شدید نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہونے لگتا ہے، دولت اس کی ان بیماریوں میں مزید اضافہ کا ذریعہ بن جاتی ہے، اس لئے کہ دولت سے نفس پرستی اور تعیش کی زندگی کے آسانی سے موقع ملنے لگتے ہیں۔ نفس پرستی اور تعیش سے روح بیمار ہونے لگتی ہے، روح کی بیماری سے دل، دماغ، نفسیات اور اعصاب جو روح کے تابع ہیں وہ بیمار ہو جاتے ہیں۔

کاش کہ ایسی صورت پیدا ہوتی، جس سے انسان کو یہ سمجھایا جا سکتا ہو کہ وہ اشرف المخلوقات ہے، اس کی اصل شخصیت روح سے عبارت ہے اور اس روح کی غذاء اللہ کا ذکر اور مراقبہ کے ذریعہ اندر میں ڈوبتے رہنے کا عمل ہے، اس سے زندگی صالح اعمال کی طرف

راغب ہونے لگتی ہے، اس عمل کے لئے روزانہ دو تین گھنٹے کی تہائی چاہئے، دو تین گھنٹے کے تہائی میں ہونے والے ذکر و فکر سے شخصیت اتنی توانا اور مستحکم ہو جاتی ہے کہ لگ بھگ ہر طرح کی بیماریوں سے بچاؤ کی صورت پیدا ہوتی ہے، لیکن اس کے لئے روحانی کلپر کا حصہ بنتا پڑتا ہے، اس کے بغیر اپنے طور پر اندر میں ڈوبنے اور ذکر و فکر کا عمل شدید دشوار ہوتا ہے، موجودہ دور میں مادیت پرستی اور نفس پرستی کا مظاہرہ کرنا کتنا آسان عمل ہو گیا ہے، اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ماحول پر مادیت پرستی اور نفس پرستی کے اثرات غالب ہیں، اسی طرح روح کو غذا دینے، پاکیزہ روحانی عمل کو جاری رکھنے اور ذکر و فکر کے لئے بھی صالح ماحول چاہئے، اس ماحول کا حصہ بننے کے نتیجے میں ہی فرد کے روحانی ارتقا کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ سو شل میڈیا ہر وقت مادیت پرستی اور نفس پرستی پر مبنی کلپر کو فروغ دے رہا ہے، یہ کام چوپیں گھنٹے ہو رہا ہے، دنیا کے ارہا انسان سو شل میڈیا کے روح کے لئے پروانہ موت والے اس عمل کو نہ صرف ذوق و شوق سے دیکھتے ہیں، بلکہ مادہ پرستی کے یہ مظاہر و مناظر اس کے مزاج کا حصہ بن گئے ہیں، ان مناظر سے جتنی بھی نفسانی بیماریاں پیدا ہوں، کم ہیں۔

انسانی شخصیت میں محبوب حقیقی کے ساتھ والہانہ محبت کا داعیہ اور جذبہ رکھا گیا ہے، باقی سارے جذبات اسی کے تابع ہیں، جب اس طاقتوں فطری داعیے اور تقاضے کو مٹانے کی کاوشیں ہوں گی تو انسان کو ذہنی اور نفسیاتی امراض کا شکار ہونے سے بچانے کی ساری کاوشیں اور تداہیر ناکامی سے دوچار ہوں گی۔

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ ایک تہائی باعثِ رحمت ہے اور نفسی قتلوں کو ابھار کر مریض بنانے کا ذریعہ ہے تو دوسری تہائی باعثِ رحمت ہے کہ وہ فرد کے لئے محبوب حقیقی سے ملانے کا ذریعہ ہے اور فرد کی شخصیت پر صبغۃ اللہ (یعنی اللہ کے رنگ کو) غالب کرنے کا موجب بھی۔

تکر سے زندگی میں حاصل ہونے والی برکتیں

تکر سے فرد کی خفتہ صلاحیتیں بیدار ہوتی ہیں، جو فرد کی حقیقت شناسی اور معرفت کے سفر کو آسان بنادیتی ہیں، اس لئے کہ جب دل کی گہرائیوں سے تکر کا عمل شروع ہوتا ہے تو فرد کی شخصیت میں جو فاسد قوتیں موجود ہوتی ہیں، ان سے مقابلہ ہونے لگتا ہے اور رفتہ رفتہ فرد کی شخصیت میں موجود رحمانی قوتیں فاسد قوتیں پر غالب آنا شروع ہو جاتی ہیں۔ تکر کا عمل بہت بڑی نعمت ہے، جس کو عطا ہو جائے، اسے گویا ساری نعمتیں عطا ہو گئیں۔

قرآن میں ہے یا ایها الذین امنوا التعلو اللہ والتنتظر نفس ما قدمت لغد (اے ایمان والو تقوی اختیار کرو اور ہر نفس (ہر فرد) کو دیکھنا چاہئے کہ اس نے کل کے لئے کیا بھیجا ہے)۔

دوسری جگہ ہے الہ یعلم بآن اللہ یوری (کیا انسان نہیں جانتا کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے)۔ ان دونوں آیتوں میں غور و فکر اور تکر کی دعوت دی گئی ہے اور اس پر زور دیا گیا ہے۔ تکر سے ہوتا یہ ہے کہ روح کا رشتہ، نفس کی حیوانی و جلبی قوتوں سے ٹوٹ کر محظوظ ہی ہے، تکر سے دل، سلامتی اور پاکیزگی کی راہ پر گامزن ہونے لگتا ہے، تکر سے ذہن صحبت میں صورت اختیار کرنے لگتا ہے، اور خیالی قوت (جسے نفس کنزوں کرتا ہے) وہ نفسی قوتوں سے آزاد ہو کر، رحمانی قوتوں کے تابع ہونے لگتی ہے۔

تکر میں دل، دماغ اور روح تینوں قوتیں شامل ہو جاتی ہیں اور تینوں کا بیک وقت سفر محظوظ ہے، تکر اگر ایمانیات و عقائد کے ساتھ ہوتا ہے تو ایسا تکر فرد کو اعمال صالحہ اور اسلام کی شاہراہ پر گامزن کرنے کا ذریعہ بتاتا ہے۔

تکر کا عمل شروع میں ستر فتنہ سے ہوتا ہے، اس میں نفس اور نفسی قوتیں کی شدت سے مزاحمت ہوتی ہے، لیکن فرد اگر ہمت، حوصلہ اور استقامت سے کام لے اور

روحانی استاد کی سرپرستی میں تکر سے کام لے تو تکر کے عمل میں رفتہ رفتہ نفسی اور شیطانی قوتوں کی مزاحمت کم ہونے لگتی ہے اور تکر زندگی کو پاکیزہ خطوط پر بدلنے میں فیصلہ کن کردار ادا کرتا ہے۔ تکر میں سب سے بڑا کردار دل کا ہوتا ہے کہ دل محظوظ سے انسیت اور وار فتنگی محسوس کرنے لگتا ہے، اس میں دماغ کا بھی کردار ہوتا ہے کہ خیالی قوت کو منتشر ہونے سے بچانے کے لئے دماغ کو یکسو کرنا پڑتا ہے اور قوت ار تکازے کام لینا پڑتا ہے۔

تکر کی لطیف صورت اسم ذات کا قبلی ذکر یعنی مراقبہ ہے، مراقبہ سے اللہ کے انوار حسن حاصل کرنے کی صورت پیدا ہوتی ہے، جس سے زندگی حقیقی معنویت سے آشنا ہوتی ہے، تکر کی صلاحیت جب مستحکم ہونے لگتی ہے یعنی تکر کا ملکہ غالب ہونے لگتا ہے تو اس سے ایک تو شخصیت معطر ہو جاتی ہے اور خوشیوں سے سرشار ہونے لگتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اعمال صالحہ کی قوت پیدا ہونے لگتی ہے۔

فردا گر تکر کی عادت ڈالنا شروع کر دے اور اس میں اضافہ کا عمل جاری رکھے تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ فرد مادی وجود کی سرحدوں سے آگے بڑھ کر رحمانی قوتوں سے رابطہ میں آنے لگتا ہے، جو اسے نفس مطمئنہ کے ہونے کی خوش خبری سنانے لگتی ہیں، لیکن اس کے لئے ظاہر ہے کافی عرصہ تک تکر یعنی اندر میں ڈوبتے رہنے اور مراقبہ سے کام لینا پڑتا ہے۔

بد قسمتی سے لوگ تکر اور مراقبہ کی قوت سے نا آشنا ہیں، جس کی وجہ سے وہ سکون کے لئے در بدر کی ٹھوکریں کھاتے رہتے ہیں اور اعصابی، نفسیاتی، ذہنی اور وجدانی امراض کا شکار ہوتے رہتے ہیں، یہ فطری تقاضوں سے دوری کی سزا ہے، جو افراد معاشرہ کو مل رہی ہے، آئیے عہد کریں کہ مادی چک دمک سے متاثر ہونے کی بجائے تکر (مراقبہ) کے ذریعہ اپنے آپ کو روحانی خوشیوں سے سرشار کرنے کی راہ اختیار کریں گے۔

ذکر تووانی کا سب سے بڑا ذریعہ جدید انسان کے لئے لمجہ فکر یہ

روحانی الچھر سے والستگی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ذکر سے ممتاز پیدا ہونے لگتی ہے، جو بالآخر ملکہ کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔ ذکر، طالب کا سب سے بڑا سہارا ہوتا ہے، زندگی کے جس موڑ پر بھی مادیت پسند تو تیں یا حالات کی سیگنی اسے غم زدہ کرنے لگتی ہے تو وہ فوراً ذکر کا سہارا لینے لگتا ہے، ذکر کا سہارا لیتے ہی اس کے احساسات پا کیزہ ہونے لگتے ہیں اور وہ خوشی اور حلاوت سے سرشار ہونے لگتا ہے، ذکر اس کے لئے ایسا ہتھیار ہے، جو شیطان اور مادہ پرست قوتوں کو بھگانے میں فیصلہ کن کردار ادا کرتا ہے۔

اسے روزمرہ زندگی میں تجربہ ہوتا ہے کہ اس پر بعض اوقات ان جانا ساخوف طاری ہونے لگتا ہے، بظاہر یہ قومی، ملی زندگی اور خراب معاشری حالات کا اثر نظر آتا ہے، لیکن جب وہ غور و فکر سے کام لینے لگتا ہے تو اس پر یہ راز افشا ہوتا ہے کہ یہ دل کو مطلوبہ مقدار میں ذکر کی خوارک نہ دینے کا نتیجہ ہوتا ہے، جو خوف زدگی، اداسی، بے بس، بے چیزیں، بے قراری اور ذہنی دباؤ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، جس کا اثر اعصاب اور نفسیات پر بھی پڑتا ہے کہ ان میں تناول پیدا ہونے لگتا ہے، ذکر کا سہارا لیتے ہی وہر طرح کے خوف وہر اس سے آزاد ہونے لگتا ہے، اس لئے کہ ذکر سے حاصل ہونے والے انوار حسن اس کی شخصیت کو معطر اور متوازن بنادیتے ہیں، ذکر اس کے روح کی ایسی غذا بن جاتا ہے، جس کے بغیر وہ رہ نہیں سکتا، ذکر اس کے لئے زندگی کے مسائل سے عہدہ برآ ہونے میں کردار ادا کرتا ہے، اس لئے کہ ذکر سے اس کا احساس پا کیزہ ہو جاتا ہے، اس میں صبر و شکر کی نسبیات پیدا ہونے لگتی ہے، اللہ کی ذات پر یقین میں پچھلی آجائی ہے، وہ ہمت اور حوصلہ کے ساتھ ہر قسم کے حالات سے مقابلہ کی صلاحیت سے بہرہ در ہو جاتا ہے۔

اس وقت جب کہ مادی الچھر نے انسانیت پر غمود کا پہاڑ گردایا ہے، ہر فرد مسائل کے بوجھ تلے دب رہا ہے، ایسے حالات میں روحانی الچھر سے والستگی کے نتیجہ میں ذکر سے اپنا یتی کا پیدا ہونا، اس کے نتیجہ میں خوشی و حلاوت کے لازوال احساسات سے سرشار ہونا، ایسی نعمت ہے، جس پر طالب اپنے مولا کا جتنا بھی شکر ادا کرے کم ہے۔

ذکر فکر اور زندگی کے لئے ضروری وسائل کے فقدان کے خطرات سے بھی طالب کو نکال باہر کرتا ہے، ان الشیطان یعدکم الفقر و یامر کم بالفحشاء والله یعدکم مغفرة و رحمة (بے شک شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہے اور بُراٰی پر اکسانتا ہے (جب کہ) اللہ تم سے مغفرت اور رحمت کا وعدہ کرتا ہے)۔

اللہ کا یہ وعدہ ایسا ہے، جس کا اللہ کے حقیقی طالب کو روزمرہ زندگی میں مشاہدہ ہوتا ہے، اللہ نے ذکر میں تووانی کی اتنی بڑی مقدار پر کہی ہے کہ طالب اس تووانی کے ذریعے خوف وہر اس پیدا کرنے والی ساری قوتوں سے مقابلہ کرنے کی صلاحیتوں کا حامل ہو جاتا ہے۔ ذکر میں نور بھی ہے، حسن بھی ہے تو ساتھ ساتھ تووانی بھی۔ یہ ساری جو ہری چیزیں ہیں، جو طالب کو شیطان، مادیت پرست اور نفس پرست قوتوں سے مقابلے میں متعکم رکھتی ہیں۔

البتہ مبتدی طالب کے لئے ذکر و مراقبہ میں دشواری پیدا ہوتی ہے، اس لئے کہ اس کا دل ذکر کے نور سے خالی ہوتا ہے، اس لئے شیطان اور نفس امارہ اس کے ذکر کی راہ میں مشکلات اور وسو سے پیدا کر کے، اسے ذکر سے دور کرنے کے لئے کوشش ہوتی ہیں، لیکن ہمت اور حوصلہ سے کام لینے اور روحانی استاد سے تعلق قائم رکھنے کے نتیجے میں رفتہ رفتہ اس کا دل ذکر کے لئے روائی دوائی ہوتا ہے، اور ذکر کی راہ میں حائل اس کی دشواریاں دور ہونے لگتی ہیں۔

موجودہ دور میں مادیت کی ہمہ گیر لہر اور مادی الچھر نے انسان کو جس طرح ذہنی، وجودی اور نفیتی مسائل کا شکار بنایا ہے، اس سے چاؤ کی سب سے بہتر اور موثر صورت ذکر ہے، اس لئے کہ ذکر دل، ذہن، نسبیات اور اعصاب میں توازن پیدا کرتا ہے اور فرد و افراد کو ہر طرح کے خوف وہر اس سے نجات دلانے کا ذرا یعنی بنتا ہے۔

اس دور کا سب سے بڑا خوف وہر اس معاشری اور مادی طور پر افلas زدہ ہونے کا خوف ہے، یہ خوف غریب افراد کے ساتھ ارب پی انسانوں کو بھی لاحق ہے، وہ دولت میں کمی آجانے یا دولت کے ذخائر میں کمی آجائے پر لرزائ و ترسائ رہنے لگتے ہیں، اس خدشے سے ان کی نیندیں اڑ جاتی ہیں کہ کہیں ان کے دولت کے ذخائر میں کمی واقع نہ ہو۔

غریب افراد کو حقیقی افلas کا خوف طاری ہوتا ہے، ذکر دونوں طرح کے افراد کی خوف زدگی کو دور کرتا ہے، مالداروں کو دولت کے حرص سے نجات دلا کرے، ان کو کم سے کم دولت پر

نفسی قوتوں پر فتحیابی

حاصل کرنے کے لئے انتلاع آزمائش کے مراحل سے گزرنا

روحانی لکھپر کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اس میں طالب کو عرصے تک اللہ کے جلالی و جمالی صفات کے عکس سے گزرنا پڑتا ہے، اللہ کے جلالی صفات کو برداشت کرنا، اور اف بھی نہ کرنا بلکہ محبوب کی اس ادا کو تزکیہ نفس اور روحانیت کے ارتقا کا ذریعہ سمجھنا، یہ اللہ کے طالب ہی کا ظرف اور حوصلہ ہوتا ہے۔

جب دل پر اللہ کے جلالی صفات کا عکس گرتا ہے اور طالب کے ساتھ لگ بھگ روزانہ محبوب کی یہ ادائی رہتی ہے تو طالب کا دل پاش پاش ہو جاتا ہے اور طالب کی وہ حالت ہوتی ہے کہ گویا اس پر غم کے پہاڑ گر رہے ہیں۔ نیزہ موت کے سے حالات سے دوچار ہونے لگتا ہے، اللہ کے جلال کو برداشت کرنا، یہ محب ہی کا کام ہے، یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے، جب تک نفس، طاغوت یعنی غیر اللہ کی غلامی کے آداب بجا لانے اور مادیت کی پرستش سے انکار کی روشن پر آمادہ نہ ہو گا یعنی جب تک دل سے غیر اللہ کے نقوش مت نہیں جاتے، اور اللہ سے والہانہ محبت غالب نہیں ہوتی، تب تک طالب کا دل روزانہ محبوب کے جلال کے تیروں سے چھٹنی ہوتا رہے گا اور موت کے سے حالات سے دوچار ہوتا رہے گا، لیکن اللہ کے جلالی صفات کے عکس کے کچھ دیر بعد ہی طالب پر جمالی صفت کا عکس گرتا ہے، جس سے طالب کے سارے غم غلط ہو جاتے ہیں اور وہ لازوال خوشی کے احساسات سے سرشار ہونے لگتا ہے۔

صابر اور شاکر بنادیتا ہے، غریبوں کو حوصلہ دلاتا ہے کہ وہ اللہ کی ذات پر بھروسہ کریں، اللہ انہیں زمانے اور حالات کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑے گا، من یتوکل علی اللہ فھو حسبيہ (جس نے اللہ پر توکل کی اللہ اس کے لئے کافی ہوتا ہے) قرآن میں اس طرح کی متعدد آیات ہیں جو اللہ کے طالب کے لئے حوصلے کا ذریعہ ثابت ہوتی ہیں۔

اللہ اپنے مخلص بندے کے لئے حالات کو اس طرح سازگار بنادیتا ہے کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا، لیکن شرط یہ ہے کہ فرد اللہ کے ساتھ مخلص ہو جائے، اور ذکر و فکر کے ذریعہ اپنی شخصیت پر صبغۃ اللہ (اللہ کے رنگ) کو غالب کرے۔ ذکر کی راہ میں طالب کو جو دشواریاں پیش آتی ہیں، وہ کچھ اس طرح ہیں۔

(۱) پہلی رکاوٹ نفس کی طرف سے پیدا شدہ سستی و غفلت ہے، نفس نہیں چاہتا کہ فرد ذکر کی راہ پر گامزن ہوا اور اس کے ارتقائی مراحل طے کرے، نفس کی اس مزاحمت کے مقابلہ کی صورت یہ ہے کہ فرد ہمت اور حوصلہ سے کام لے اور نفس کے نہ چاہتے ہوئے بھی ذکر شروع کر دے، آہستہ آہستہ ذکر اس کے لئے آسان ہوتا جائے گا۔

(۲) دوسرا رکاوٹ ذکر سے دور اور اس سے ناؤشا افراد کی صحبت ہے، ایسے افراد کی صحبت سے منفی شعایم منتقل ہو کر، طالب کے دل کو ذکر کے حوالے سے سخت بنادیتی ہیں اور دل میں ظلمات اور کدو روت پیدا کر دیتی ہیں، اس کا علاج یہ ہے کہ ایسے افراد کی صحبت سے ہر ممکن حد تک بچنے کی کوشش کی جائے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ایسے افراد کی صحبت سے اس طرح بچا جائے، جس طرح شیر سے بھاگا جاتا ہے۔

(۳) تیسرا رکاوٹ مادی نوعیت کی بہت زیادہ مصروفیات ہوتی ہیں، کوشش کی جائے کہ ان مصروفیات کو جتنا کم کیا جاسکتا ہے، کیا جائے، اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنی ضروریات کی فہرست میں کمی کی جائے، ایسی چیزیں جن کے بغیر زندگی بسر ہو سکتی ہے، ایسی چیزوں سے احتراز کیا جائے۔

اس نکتہ کا استحضار ضروری ہے کہ مبتدی طالب کو زیادہ میل ملاقات سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

طالب کی روزمرہ زندگی انہی حالات میں گزرتی ہے، محبوب کی اپنے محب کے ساتھ یہی اداہوتی ہے کہ انہیں آخری حد تک بے بسی، بے قراری، اپنی محبت کے لئے ذوق و شوق، روزانہ مرنے اور روزانہ زندہ ہونے کے حالات سے گزار کرہی انہیں ایک نئی زندگی عطا ہوتی ہے، جس پر سو زندگیاں نشاور کی جاسکتی ہیں۔

ایک اہل اللہ نے خوب کہا ہے کہ دنیا میں جہاں جہاں بھی غم موجود تھے، ان سارے غنوں کو ایک جگہ جمع کر کے، اس کا نام عشق و محبت رکھا گیا ہے۔

جب طالب، حوصلہ، ہمت اور مستقل مزاجی سے ان سارے غنوں کو برداشت کر کے عشق و محبت کے دوسراے کنارے پر پہنچتا ہے تو اسے وہ نعمت عطا ہوتی ہے، جس پر دنیا کی ساری نعمتیں قربان کی جاسکتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ نفس کی قوت اتنی خوفناک اور طاقتور ہے کہ وہ زندگی کے ہر موڑ پر الوہیت کی دعویٰ کرتی ہے اور اللہ کے ساتھ اپنی الوہیت کا حصہ رکھنے کی دعویدار ہوتی ہے، نفس کی الوہیت کے اس طاقتور نقاضے اور داعیے کو توڑنے کے لئے اللہ کے جلالی صفات کے عکسوں کے بغیر چارہ کار نہیں، اس کے بغیر نفسی قوتیں مطیع نہیں ہو سکتی۔

نفس امارہ سے امامہ اور امامہ سے مطمئنہ کا سفر ایسا ہے، جو اللہ کے جلالی و جمالی صفات کے ذریعہ روزانہ مرنے اور روزانہ زندہ ہونے سے تعلق رکھتا ہے۔

نفس کو مطیع کر کے، اسے مکمل طور پر اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کرنے کے لئے ہی عشق و محبت کا سفر ہے، جو روحانی کلچر کے ذریعہ طے ہوتا ہے، اس سفر کی داستان دلگذاز اور دکھوں سے سرشار بھی ہے تو روح پر اور حالات سے بھر پور بھی۔

اس سفر میں روحانی استاد کا کردار بڑا ہم ہوتا ہے کہ وہ طالب کو زبانی حال وزبان قابل کے ذریعہ ہر موڑ پر حوصلہ دلاتا ہے کہ بہت زیادہ غم زدہ اور پریشان ہونے کی قطعاً ضرورت

نہیں ہے، اس راہ میں مدد و جزر آتے رہتے ہیں، یہ مدد و جزر انشاء اللہ جلد ہی گزر جائیں گے، محبوب طالب کی استقامت اور ہمت و حوصلہ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔

محبوب طالب کو اپنی سب سے بڑی نعمت، اپنی رضامندی کی نعمت نفس مطمئنہ کی نعمت عطا فرمانا چاہتا ہے، لیکن اس کے لئے طالب کی آزمائش شرط ہے، آزمائش کے مراحل سے گزرے بغیر اتنی بڑی نعمت عطا ہو گئی تو اس کی قدر نہیں ہو گئی، بے قدری کی وجہ سے نعمت سلب ہو جائے گی، اور طالب مادیت کی دلدل میں مبتلا ہو جائے گا۔

روحانی استاد کی اس طرح کی حوصلہ افزائی پر مشتمل گفتگو میں وہ تاثیر ہوتی ہے کہ طالب از سر نو محبوب کی راہ پر گامزنا ہونے لگتا ہے، نیز سفر کی مشکلات اس کے لئے آسان ہونے لگتی ہیں۔

راہ محبت میں درپیش مشکلات سے لوگ گھبرا کر اس راہ میں اول تو آنا نہیں چاہتے، اگر آتے بھی ہیں تو فوراً بھاگ جاتے ہیں، راہ محبت سے یہ فرار دراصل اپنی ذات کی معرفت سے فرار ہے، فرد کی شخصیت کے باطن میں جو موتی و جواہر رکھے گئے ہیں، جو دنیا کی ساری دولت سے زیادہ قیمتی ہیں، یہ ان جواہر تک رسائی سے فرار ہے، یہ نفس کی سرحدوں کو عبور کر کے اللہ تک پہنچنے اور محبوب سے مخلصانہ تعلق مختلم کرنے سے فرار ہے، اس فرار کی سزا دنیا میں یہ ملتی ہے کہ فرد دنیا کے دورا ہے پر حیران و سر گردان رہتا ہے، اس کی روح شدید افیت کا شکار رہنے لگتی ہے، اس کی زندگی انگاروں پر لوٹنے کے مترادف ہو جاتی ہے، آخرت میں افیت کی اس زندگی میں کئی سو گناہ اضافہ ہو جائے گا۔ اللہ ہمیں حقیقی فہم عطا فرمائے، تاکہ ہم اس کی راہ پر چل کر نفسی قتوں کو مطیع کر سکیں۔

غیر اللہ کے نقوش کو

مٹائے بغیر مقصود کا حاصل نہ ہونا

روحانی کلپر فرد و افراد کو ایسا ماحول فراہم کرتا ہے، جس سے رفتہ رفتہ نیت کا رخ صحیح خطوط پر متعین ہونے لگتا ہے، اور فرد کی جدوجہد کا مقصد اللہ کی رضا ہونے لگتا ہے، پھر روحانی کلپر میں ذکر و فکر کا نورانی ماحول ہوتا ہے، جس سے رفتہ رفتہ قلب سے غیر اللہ کے نقوش زائل ہونے لگتے ہیں، اس طرح زندگی پاکیزگی کا منظر پیش کرنے لگتی ہے۔

مجاہدوں کے ذریعہ یہ دونوں مقصد حاصل ہونے لگتے ہیں، اس سے دین کی ساری تعلیمات پر عمل پیدا ہونے کی استعداد پیدا ہوتی ہے، اور اللہ کی محبت کے ارتقائی مرحلے ہوتے ہیں، دین و دنیا اور دنیا و آخرت دونوں کی فلاح کا راستہ اور طریقہ یہی ہے۔

یاد رکھئے کہ زندگی کا چھلتی جا رہی ہے، اعمال کے حساب کا وقت قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے، قرآن میں ایک جگہ ہے کہ جہنم گھات میں ہے، دوسرا جگہ ہے کہ اللہ گھات میں ہے، قرآن نے بہت بڑے عذاب کے انتبات دیئے ہیں، لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ دنیا کے چند نوں کا خوف اور دہشت اس قدر غالب ہے کہ ہم دنیا کی اس دہشت کی حالت سے نکلنے ہی نہیں پاتے۔

جب تک مجاہدوں کے ذریعہ نیت کا صحیح رخ متعین نہیں ہو گا، یعنی نیت میں اخلاص پیدا نہ ہو گا اور دل سے غیر اللہ کے نقوش زائل نہ ہوں گے، تب تک ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی میں تبدیلی کے سارے راستے بند ہیں، اس نکتے کو سمجھنے سے ہی زندگی کا صحیح رخ اختیار ہو گا اور ہمارے لئے بچاؤ کی صورت پیدا ہو گی۔

حقیقت یہ ہے کہ حرص و ہوس اور مفادات کی جگہ اتنی شدید ہوتی ہے کہ فرد و افراد موت تو برداشت کر لیتے ہیں، لیکن حرص و ہوس اور مفادات سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

یہ انسان کا کتنا بڑاالمیہ ہے کہ وہ عادات بد کی زنجروں میں اتنا جگڑ جاتا ہے کہ وہ دامنی زندگی کے خسارے کی قیمت پر اپنی عارضی زندگی کو وحرص و ہوس کی نذر کر دیتا ہے اور طاغوت اور طاغوت سے متعلقہ چیزوں پر مر ٹھتا ہے۔

ہر فرد میں عام طور پر غیر اللہ کے نقوش اتنے مستحکم ہوتے ہیں کہ اسے نکال کر کے اللہ کے نقش اور اس کے رنگ کو غالب کرنا ہے سب سے زیادہ دشوار تر کام ہے، یہ کام ایسا ہے جو ذکر و فکر کے غیر معمولی مجاہدے چاہتا ہے، اللہ کے نام اور اس کے ذکر میں اتنی تاثیر ہے کہ نفس، شیطان اور مادی قوتوں کے پیدا کردہ اثرات اور نقوش کو زائل کرنا ہے، یہ ذکر کثیر کے ذریعہ ہی ممکن ہے، اس کے بغیر نہ ت дол کا رخ صحیح خطوط پر متعین ہوتا ہے اور نہ ہی باطن سے غیر اللہ کا خوف و خطر اور غیر اللہ کے نقوش زائل ہونے کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

باطنی بیاریوں سے نجات اور اعمال صالحہ کی سرانجامی کا سارا تعلق مذکورہ بیان کردہ دونکات سے ہی ہے، لیکن اس اعتبار سے معاشرے کا جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ یہی دو کام ایسے ہیں، جنہیں سب سے زیادہ غیر اہم کام سمجھا گیا ہے، اس کی طرف توجہ نہ ہونے کے برابر ہے، سبب یہ ہے کہ خود احتسابی کا عمل مفقود ہے اور حرص و ہوس کے بت مسحکم ہیں اور ذاتی مفادات کے حصول کی کاوشیں نصب العین کی صورت اختیار کر چکی ہیں، حرص و ہوس اور مفادات کی کشکش کا لازمی نتیجہ انتشار، فساد اور تصادم کی صورت میں ہی ظاہر ہوتا ہے، بد قسمتی سے ہمارے ہاں تصادم کی یہ حالت قومی سطح سے لے کر محلے کی سطح تک جاری ہے۔

جب تک ہمارے ذہنوں میں اصل کام کی اہمیت واضح نہ ہو گی اور اس کام کو کام بھگھر اس کے لئے مجاہدوں سے کام نہیں لیں گے، ہمارے حالات میں بہتری کی صورت پیدا نہ ہو گی۔

اصل کام کیا ہے؟ دل کے رخ کو صحیح کرنا ہے، دوسرے الفاظ میں دل کو صحیح سالم اور پاکیزہ بنانا ہے، اور قلب سے غیر اللہ کے نقوش کو زائل کرنا ہے۔

یہ دونوں کام ایسے ہیں جو اپنے طور پر نہیں ہو سکتے، اس کے لئے روحانی کلپر کا حصہ بننا پڑتا ہے۔

سرگرمیوں کا صحیح رخ متعین

کرنے میں محبت کا کردار

روحانی کلچر کا سب سے بڑا ہدف اللہ کی محبت کو فروغ دینا اور اس کے ارتقائی مراحل طے کرنا ہیں، محبت ہی وہ طاقتوں تقاضا اور جذبہ ہے، جس سے زندگی کی پاکیزہ نیادوں پر تشكیل ہوتی ہے اور داخلی اور خارجی منفی قوتوں سے نجات ملتی ہے، روحانی کلچر سے وابستگی سے زندگی کے بدلنے کا راز یہ ہے کہ ایک تو روحاںی استاد جو طاقتوں روحاںی صلاحیتوں کا مالک ہوتا ہے، اس کے دل سے ثابت شعائیں منتقل ہو کر، طالب کے دل کو مستحکم کرنے میں کردار ادا کرتی ہیں، دوسرے یہ کہ ذکر کے ماحول کا حصہ ہونے کی وجہ سے طالب کی شخصیت میں ذکر کو اخذ کرنے اور ذکر کے لئے ذوق و شوق کی فضایپیدا ہونے لگتی ہے، روحانی کلچر کی ان دو چیزوں کی وجہ سے اللہ کی محبت کا ارتقائی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، ساتھ ساتھ زندگی کا رخ صحتمند نیادوں پر تبدیل ہونے لگتا ہے۔

یا ہم حقیقت ہے کہ جب تک اللہ کی محبت غالب نہیں ہو گی، تب تک دل میں غیر اللہ کی محبت موجود رہے گی، غیر اللہ کی محبت میں دنیا سے محبت، خواہشات کی محبت، اقتدار کی محبت، منصب کی محبت، مادی حسن پر فدائیت، شخصیتوں کی محبت وغیرہ سب شامل ہے، یہ محبت ہی ہوتی ہے، جو سرگرمیوں کا رخ متعین کرتی ہے، اور وفاداری کے اهداف کا تعین کرتی ہے۔

اللہ کی محبت کی جگہ دوسری محبتوں کا غالب آنا، یہ دراصل غیر اللہ کو محبوب و مقصود بنانا ہے، اس سے سرگرمیوں کا رخ اور ہدف غیر اللہ بن جاتا ہے۔
بندہ مومن کے لئے اس سے بڑھ کر نظرے کی بات اور کوئی ہو نہیں ہو سکتی کہ اس کی محبت اور وفاداریوں کا مرکز غیر اللہ بن جائے، اور دین و مذہب رسی نویعت کا بن کر رہ جائے، مذہب کی یہ رسمی نویعت دل کو دوسری محبتوں سے نکالنے میں ناکام ہو جائے۔

اللہ کی محبت ایسی چیز ہے جو فرد کو اللہ کے لئے بے قرار کر دیتی ہے اور محض اللہ کے لئے انگال کو سرانجام دینے کے جذبات سے سرشار کر دیتی ہے، اس طرح غیر اللہ کی محبت دل کو غیر اللہ کے لئے مضطرب کر دیتی ہے، مثلاً خواہشات کی محبت، دنیا کی محبت اور اپنی محبوب شخصیتوں کی محبت میں فرد اتنا مستغرق ہو جاتا ہے کہ وہ ان کے خلاف بات سننے کے لئے ہی تیار نہیں ہوتا۔

ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی میں موجود سارے فساد کا بنیادی سبب یہ ہے کہ غیر اللہ کی محبت نے ہمارا احاطہ کر لیا ہے، بلکہ وہ ہماری رگ و ریشہ میں داخل ہو گئی ہے، اس لئے ہماری سرگرمیوں کا سارا امر کمز خواہشات، اقتدار، دنیا، اور شخصیات کی محبت وغیرہ بن کر رہ گئی ہے، جس کی وجہ سے ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی فساد سے بھر گئی ہے اور اللہ نے ہمیں مادی قوتوں کے حرم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔

اللہ کی محبت کو ہدف نہ بنانے کا لازمی نتیجہ غیر اللہ کی محبتوں کو ہدف بنانا ہے، یعنی جب اللہ کی محبت غالب نہیں ہوتی تو اس کی جگہ غیروں کی محبت لے لیتی ہے، اور غیر اللہ کی محبت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دلوں کو اور خود اجتماعی زندگی کو فساد سے بھر دیتی ہے۔

رسمی مذہب کی رسمی صورت اللہ کی محبت کا بدل ہر گز نہیں ہو سکتی، یعنی اگر اللہ کی محبت غالب نہیں ہو گی تو فرد و افراد کے لئے دنیا کی محبت، خواہشات کی محبت، اقتدار کی محبت، من پسند شخصیتوں کی محبت کا اسیر ہونے سے بچا مکمل نہ ہو گا۔

خرد نے کہہ بھی دیا لالہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں،

غیر اللہ کی محبت سے منفی فکر جنم لیتی ہے، منفی فکر سے منفی سرگرمیاں فروغ پذیر ہوتی ہیں جو افراد کو ایک دوسرے سے متصادم کرتی ہیں، اس طرح معاشرہ خلفشار کا شکار ہو جاتا ہے، اور معاشرے میں مفادات کی جگہ شروع ہو جاتی ہے، جب کہ اللہ کی محبت ثابت سوچ کو فروغ دیتی ہے، یہ ثابت سوچ افراد کو بے غرضانہ طور پر محبت کے رشتے میں جوڑ لیتی ہے، جس سے معاشرہ الافت، محبت اور وفاداری سے عبارت ہو جاتا ہے۔

شخصیت کے سارے حسن کا روحانی کلپنے سے وابستہ ہونا

یہ ایک حقیقت ہے کہ شخصیت کا سارا حسن روحانی کلپنے سے وابستہ ہے، تفکرات سے آزادی، حرص و ہوس سے بچاؤ، خود نمائی و خود شنائی کے جذبات سے دوری، اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھنے سے بے نیازی، جذبہ شہرت سے گلو غلاصی، سلیقہ انسانیت اور آداب انسانیت سے بہرہ دری، مزاج میں ٹھہراؤ اور توازن، اللہ کی خلوق کے دکھ درد میں شرکت، زیادہ گفتگو سے پرہیز، خاموشی کا ہے تفکر (یعنی اندر میں ڈوب جانے میں) میں تبدیل ہونا، مزاج کے خلاف واقعات اور حالات کا زیادہ اثر نہ لینا و دستی و دشمنی کا محض اللہ کے لئے ہونا، تحوڑے پر راضی رہنا، مادی کلپنے کے اجزاء کو قبول کرنے کی روشن سے انکار کا ہونا، نرمی اور محبت کے جذبات سے سرشار ہونا، صبر تحمل اور بردباری کی صفات کا حامل ہونا، اللہ کے لئے جینے اور اللہ کے لئے مرنے کے حوصلہ کا ہونا، خود احتسابی سے کام لیتے رہنا، اور اس عمل کو زندگی کے آخری لمحات تک جاری رکھنا، لوگوں کے قصوروں کو معاف کرنا، گفتگو میں نرمی و مٹھاس کا ہونا، دنیا کے اپنے کم سے کم حصے پر راضی رہنا، اللہ سے مانگنے کی نفیسیات کا غالب ہونا، دنیاوی الحجنوں سے بچتے رہنے کے لئے کوشش کرنا، دوسروں کے کام آنے کی استعداد کا حامل ہونا، اختلاف رائے کو حق و باطن اور جائز و ناجائز مسئلہ سمجھنے کی بجائے اسے اپنی رائے سے زیادہ اہمیت نہ دینا، دوسروں پر اپنی رائے کو مسلط کرنے سے احتراز کرنا، دوسروں کی تحقیر کرنے اور ان کی

دل آزاری سے آخری حد تک بچتے رہنے کے لئے کوشش ہونا، چھوٹے پن اور تواضع کا حامل ہونا وغیرہ وغیرہ۔

یہ ساری صفات و خوبیاں ایسی ہیں، جو اسلام کے روحانی کلپنے کا حصہ ہیں، روحانی کلپنے فردو افراد میں بھی صفات پیدا کرنے کا ذریعہ بتتا ہے، روحانی کلپنے کا حصہ بنے بغیر اس طرح کی صفات و خوبیوں کا پیدا ہونا غیر معمولی طور پر دشوار ہے، لیکن ان صفات کے لئے ذکر و فکر کی کافی مقدار میں خوراک چاہئے اور فرد کو روحانی کلپنے کا مکمل طور پر حصہ بن جانا چاہئے، اس کے لئے جزوی وقت نکالنے کی بجائے وقت کا کافی حصہ صرف کرنا چاہئے، اس لئے کہ نفس کی حیوانی اور جلبی قوتوں کو مطیع کر کے نفس کو سنوارنا اور اسے پاکیزہ بنانے کے اسے اوصاف حمیدہ کا حامل بنانے سب سے زیادہ دشوار گزار کام ہے، اس کے لئے ترزیکہ (یعنی نفس کے سنوارنے کی) کی فکر کو غالب کرنا پڑتا ہے۔

اس وقت انسانیت کردار کے بھر ان کی شکار ہے، انسانیت کو در پیش سارے مسائل کردار کے بھر ان کی وجہ سے ہی پیدا ہوئے ہیں، انسانیت کو کردار کے اس بھر ان سے اسلام کا روحانی کلپنے ہی بہت احسن طریقہ سے نکال کر، اسے آداب انسانیت اور سلیقہ انسانیت سے بہرہ ور کر سکتا ہے، اس طرح اسے پاکیزہ زندگی کی راہ پر گامزن کر سکتا ہے۔

ذہانت کی حامل شخصیت کا تجزیہ

ذہانت اللہ کا انعام بھی ہے تو آزمائش بھی۔ انعام اس اعتبار سے کہ ذہین فرد اپنے لئے اور ملک و ملت کے لئے نئی نئی راہیں نکال کر ملک و ملت کی بہتری کا باعث بن سکتا ہے، ذہانت آزمائش اس طرح ہے کہ ذہین فرد کو اگر منصب بھی حاصل ہے تو اس کے لئے اپنی شخصیت کو حد اعتماد پر قائم رکھنا، ناز اور بڑے پن سے بچنا اور مفاد پرستی، خود پرستی اور حرص و ہوس کی راہ اختیار کرنے سے بچنا، شوار سے دشوار تر ہو جاتا ہے، اس طرح وہ ذہین فرد دل، روح اور نفس لوامہ کی قوت اور ان کے تقاضوں سے ناآشنا ہو کر، مادی عقل جو نفس کی یہ غماں شدہ ہوتی ہے، اس کا اسیر ہو جاتا ہے، اس کی ذہانت اسے اپنی ذات اور ملک و ملت کے لئے زیادہ ضرر رسال ثابت ہوتی ہے، ذہین فرد کو اس کی غیر معمولی ذہانت کی وجہ سے مادی کلچر کی حامل قویں خرید کر کے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنے میں کامیاب ہوتی ہیں۔

دیکھا گیا ہے کہ ذہین فرد کی اپنی ایک دنیا ہوتی ہے، جس میں دولت کے منصوبوں اور خوشحال سے خوشحال ترمادی زندگی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا، وہ اپنے صالح دوستوں سے رشتہ اور ناتھ کو توڑ کر زندگی بھرا س کی طرف رخ کرنے کا بروادر نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے وہ وجدانی طور پر ظلمات اور تاریکیوں کا شکار ہو جاتا ہے، دنیا کے حوالے سے تو اس کی ذہانت میں اضافہ ہوتا ہے، لیکن روحانی اور باطنی طور پر اس کے حالات قابلِ رحم ہوتے ہیں، حسابت (احساس کی شدت) اسے گھیر لیتی ہے۔

ذہین فرد اگر دولت اور منصب کا بھی صاحب ہے تو ایسے فرد کو روحانی کلچر کی زیادہ ضرورت ہے، دوسری صورت میں وہ ذہنی دباؤ، اشتعال اور روحانی امراض کا شکار ہو گا، نیز اس کا عہدہ اس سے ایسے فیصلے کرانے کا ذریعہ بنے گا، جس سے قوم و ملت کی زبول حالت میں اضافہ ہو گا، نیز، اپنے غلط فیصلوں کی وجہ سے قوم و ملت کی آبیں اس کا گھیراؤ کریں گی۔ ذہین

فرد کے مزاج میں شدید تناؤ کی حالت پیدا ہوتی ہے، موجودہ دور میں جب کہ عالمی سماں ہو کارنے ملکوں اور قوموں کو کمزول کرنے، ان پر اپنی مرخصی کی پالیسیوں کو مسلط کرنے کے لئے دولت کے دہانے کھول دیئے ہیں، ایسی صورت حال میں منصب کی حامل ذہین شخصیت زیادہ خطرات سے دوچار ہے اور وہ ذاتی مفادات اور دولت کی خاطر قومی مفاد کو پامال کرنے کی روشن پر گامزن ہو گی، اس سے بچاؤ کی صرف یہی صورت ہے کہ وہ اپنے پاکیزہ کلچر کا حصہ بن کر محظوظ حقیقی کے انوار حسن سے بہرہ ور ہو، یہ انوار حسن ہی اسے دولت اور مادی حسن سے بچانے میں کردار ادا کریں گے۔

ذہین فرد جب دنیا کی حرص کی خاطر فاسد افراد سے دوستی کا تعلق قائم کرتا ہے تو اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اس کا دل اور روح سے رشتہ مفقط ہو جاتا ہے، اور اس کے ضمیر کی طرف سے فتویٰ کا عمل رک جاتا ہے، اس کا دوسرا بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ نیکو کاری کے سلسلے میں اس کا فہم اور اور اک نحیف ہو کر سلب ہونے لگتا ہے، تیسرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ عملی طور پر نیکی کی راہ اختیار کرنے کے سلسلے میں اس کے دل میں جبابات پیدا ہونے لگتے ہیں۔

کتنے بڑے نقصانات ہیں، جو ذہانت کی حامل شخصیت کو نا赞، بڑے پن اور دنیا کی حرص کی راہ اختیار کرنے کی وجہ سے بھگتے پڑتے ہیں۔

دولت کے حصول کی دوڑ اس دور کا سب سے بڑا فتنہ ہے، یہ حرص فرد و افراد کی صلاحیتوں کو نچوڑ لیتا ہے اور ذہن کی ساری توانائیوں کو اس فاسد مقصد کے لئے خرچ کرنے کا موجب بنتا ہے، دولت کی بڑھتی ہوئی حرص سے بچاؤ کی صورت یہی ہے کہ ذہین فرد اپنے روحانی کلچر کا حصہ بن کر، نفس کی یہ غماں سے آزادی حاصل کر لے اور دل اور روح کو مستحکم کرے۔

ترقی کا جدید مادی ماؤل

اور اسلامی ماؤل

ایک مختصر موازنہ

ترقی کا جدید مادی ماؤل ایسا ہے، جس نے ہمارے موثر طبقات کو مسحور کر دیا ہے، یہ دراصل مادہ پرست قوموں کی نقلی ہے، چونکہ وہ غالباً مادی نقطہ نگاہ کی علمبرداریں، اس لئے ان کا نسب اتعین ہی دنیا کو بارونت اور خوبصورت بناتا ہے، جب کہ ہمارے پیش نظر آخرت کی زندگی ہے، اس زندگی کو کامیاب بنانا ہمارے مقاصد میں شامل ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی عملی زندگی اور حکمران کی حیثیت سے زندگی اور خود خلفاء کرام کا طرز حکومت، ایسا تھا جو دولت دنیا سے بے نیازی کا تھا، حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ مجھے خطرہ اس بات کا نہیں ہے کہ تم غربت میں مبتلا ہو جاؤ گے، بلکہ خطرہ اس بات کا ہے کہ تمہارے ہاں دولت آئے گی، پھر تم گمراہ ہو جاؤ گے، دوسری حدیث ہے کہ جس گروہ میں دولت آئے گی ان میں دشمنی پیدا ہوگی۔

ترقی کا مادی ماؤل دراصل دولت کی ڈور میں ایک دوسرے سے مسابقت اختیار کرنا اور دولت کی خاطر تصادم کی راہ اختیار کرنا ہے، پچھلے ستر سال سے ہمارے موثر طبقات اس بات کا واضح نمونہ ہے کہ وہ دولت کی خاطر ایک دوسرے سے صفائی رکھ رہی ہے، ہمارے موثر طبقات دولت سے کھیل رہے ہیں، ان کے پاس اتنی دولت ہے کہ ان کی نسلوں کے لئے کافی ہے، جب کہ قوم بہت و مہنگائی کی چکی میں پس رہی ہے۔

ترقی کے مادی ماؤل کی بھی کارتنی ہے کہ جس نے ہماری سیاست کو الیہ بنادیا ہے، قوم کو افلاس میں مبتلا کر دیا ہے، ترقی کے مادی ماؤل کی بنیاد دنیا کو حرف آخر قرار دے کر، خواہشات نفس کی آخری حد تک تکمیل کرنا ہے، اس میں خواہشات ہی معبدوں کی صورت اختیار

کرتی ہیں، میڈیا کے ذریعہ لوگوں کی حررص وہوس کی آگ کو بڑھایا جاتا ہے، تاکہ سرمایہ داری صنعت کی نئی نئی چیزوں کی خریداری کے لئے لوگ مجنون وار ہو کر اس پر ٹوٹ پڑیں۔ اس کے برعکس اسلام ترقی کا ماؤل دنیا کو ضمنی حیثیت دے کر آخرت کو مقصود بنایا جاتا ہے اور دولت کو ضروریات کے استعمال کی حد تک اہمیت دی جاتی ہے اور خواہشات نفس کو حد اعتماد پر رکھنے کی کاوش ہوتی ہے۔

فاما من طغی و اثر الحیۃ الدنیا فان الجھیم هی الماوی واما من خاف مقام ربه و نهى النفس عن الهوی فان الجنۃ هی الماوی۔ (جس نے سرکشی اختیار کی اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دی، اس کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور جو اللہ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا اور خواہشات کو روکتا رہا، اس کے رہنے کی جگہ جنت ہے)۔

دولت اور دنیا کے بارے میں اسلام کا یہ واضح اصول ہے، خواہشات کو روکنے اور دنیا کو ضمنی حیثیت دیئے بغیر نہ تو اسلام کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں اور نہ ہی فرد و افراد کے فلاج کے راستے کھل سکتے ہیں۔

قرآن میں ایک جگہ ہے لاتمدن عینیک الی مامتعنا به ازواجا منہم زحرۃ الحیۃ الدنیا لغتہم فیه (ان لوگوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھنا جن میں سے بعض کو ہم نے آزمائش کی خاطر سامان دنیا سے ممتنع کیا ہے)۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ ماڈی ترقی کے حامل افراد اپنے اندر خلماں کا اتنا بڑا ذخیرہ رکھتے ہیں کہ ان کی طرف اور ان کے مظاہر دنیا کی طرف دیکھنا بھی روانہ نہیں ہے، کجا کہ ان کے ترقی کے ماؤل کو عملی طور پر اختیار کیا جائے۔

مسلم معاشرے پر یہ اللہ کا فضل ہے کہ اس میں اب بھی لاکھوں افراد ایسے موجود ہیں، جو اپنی دولت میں غریبوں کا حصہ رکھتے ہیں اور زکوٰۃ اور خیر و خیرات کے ذریعہ ان کی خبر گیری رکھتے ہیں۔

لیکن ہمارے موثر اور مقدار طبقات کی بہت بڑی تعداد ترقی کے مادی ماذل کا حصہ بن چکی ہے، ان میں وہ ساری خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں، جو اس ماذل کا حاصل ہیں، قسالت قلبی، سنگ دلی، دولت پر سانپ بن کر رہنے کا مزاج، ملت کے حوالے سے بے حسی، اپنی ذات میں مگر رہنا، مغادر پرستی اور خود غرضی جیسی باطنی بیماریاں اس طبقے کے مزاج کا حصہ بن چکی ہیں۔ بد قسمتی سے آج مغربی ترقی کا مادی ماذل اتنا حاوی ہو گیا ہے کہ مسلمانوں کے موثر طبقات کا بھی نصب العین یہی مادی ماذل بن گیا ہے، ان کا محور بھی یہی طرز فکر بن گیا ہے۔ ترقی کے مادی ماذل کے نتیجے میں ایک خرابی جو پیدا ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ سرمائے کا ارتکاز چند طبقات کی طرف ہونے لگتا ہے، عوام کی بڑی اکثریت غربت کی بچی میں پس جاتی ہے، یعنی مالدار مالدار تربن جاتا ہے، غریب، غریب تر ہو جاتا ہے۔

اسلام کی ترقی کے ماذل کا انحصار ایسی سیاسی قیادت اور ایسی انتظامیہ سے وابستہ ہے، جو علمی اور فنی صلاحیتوں کی حامل ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب تقویٰ بھی ہو، جو اللہ سے ڈرنے والی ہو، جو آخرت میں اللہ کے سامنے جوابدی کے احساس سے سرشار ہو، جو صاحب امانت و صاحب دیانت ہو، اس طرح کی سیاسی قیادت اور انتظامیہ خلفاء راشدین کے دور حکومت میں موجود تھی، اس کا نتیجہ تھا کہ ملت اسلامیہ ہر اعتبار سے ترقی کے عروج پر تھی، سیرت و کردار کی پاکیزگی بھی تھی تو معاشی خوشحالی بھی، لیکن اس معاشی خوشحالی میں دنیا کی محبت اور دولت پر فریشگی کی حالت موجود نہیں تھی اور اس میں مالدارانہ شان و شوکت اور مالدارانہ طرز معاشرت موجود نہیں تھا، نہ ہی مالداروں سے مشابہت کی صورت موجود تھی، امن و امان کا دور دورہ تھا اور ایک دوسرے سے محبت کی نفع موجود تھی۔ اسلام کی ترقی کا ماذل یہی ہے کہ بڑی بڑی گاڑیوں، بڑے بڑے محلات، جائداد و املاک اور دولت سے کھلنے کی روشن سے بچا جائے، حکومت اور انتظامیہ سے وابستہ افراد کو بڑی بڑی مراعات دے کر قوم کی زبوں حالی میں اضافہ نہ کیا جائے، غیر ضروری اشیاء پر بھاری رقم خرچ نہ کی جائے۔ ضروریات کی چیزوں انماج اور سبزیوں کی پیدا اور پر زیادہ توجہ دی جائے، پانی کے ذخائر جمع کرنے پر توجہ دی جائے،

60

سادہ طرز معيشت و معاشرت اختیار کی جائے، زندگی کے ہر شعبے سے وابستہ افراد میں قناعت کے ساتھ زندگی گزارنے کا سلیقہ پیدا کیا جائے۔

اسلام کی ترقی کا یہ ماذل ایسا ہے، جس سے کسی سے قرضہ لینے کی ضرورت ہی در پیش نہ ہو گی اور قوم نبیادی ضرورت کی چیزوں میں خود کفیل ہو جائی گی۔

ترقی کے اس ماذل کو اختیار کرنے کے لئے اجتماعی طور پر روحانی کلچر کو اختیار کرنا پڑے گا، اور روحانی کلچر کو تعلیم و تربیت کا حصہ بنانا پڑے گا، روحانی کلچر کا حصہ بننے سے جہاں دولت اور مادی زندگی کے جنون سے بچاؤ کی صورت پیدا ہو گی، وہاں حکومت اور انتظامیہ پر خرچ ہونے والے بے پناہ اخراجات میں غیر معمولی کی آجائے گی، سب سے بڑا فائدہ یہ ہو گا کہ اللہ کی طرف سے خیر و برکت شامل ہو جائے گی۔

ترقی کے اس نمونے کو اختیار کرنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ دنیا کے بارے میں حریصانہ روشن اور حریصانہ طرز عمل ہے، حریص ایسی بڑی بلا ہے کہ ایک فرد کو اگر دنیا کی آدمی دولت بھی دی جائے تو وہ اس پر مطمئنہ ہو گا، بلکہ باقی آدمی دولت والوں کے ساتھ وہ حالت تصادم میں مبتلا ہو گا، حدیث شریف ہے کہ عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ حریص وہوس بھی بڑھتی جاتی ہے، لیکن اسلام کے روحانی کلچر سے والیگی کے نتیجے میں افراد ایسے حسن اور ایسی حلاوت سے بہرہ ور ہوتے ہیں کہ دولت اور مادی حسن سے دستبردار ہونا، ان کے لئے آسان ہونے لگتا ہے اور حریص وہوس کی بیماری قابو میں آنے لگتی ہے، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا مزاج پیدا ہونے لگتا ہے، اس طرح معاشرہ معاشری طور پر عدم توازن کی صورت سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

ترقی کے مادی ماذل سے بچنے کی صورت طاقتور روحانیت اور روحانیت کے طاقتوں اجزاء کی ضرورت ہے، جو اللہ پرستی پر مبنی روحانی کلچر سے ہی حاصل ہو سکتی ہے، ضرورت ہے کہ ہمارے موثر طبقات اپنی اور ملت کی حالت زار پر رحم فرمائ کراس اہم نکتے پر غور و فکر کریں۔

روحانی کلچر میں صحبت شیخ کی اہمیت مسئلے کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ

روحانی کلچر میں شیخ یار و حافظ استاد کی اہمیت مسلمہ ہے، شیخ وہ ہوتا ہے، جو اپنے روحانی استاد کی زیر تربیت بر سوں تک ذکر و فکر کے مجاہدے کر کے، نفس کو سنوارنے میں بڑی حد تک کامیاب ہو جاتا ہے، اور جو نفس کی وسیع دنیا کے مشاہداتی مراحل سے گزر کر، خواہشات نفس پر قابو پانے میں اور نفس کو مطیع کرنے میں فتحیابی حاصل کر لیتا ہے، وہ قول و فعل کے تصادم سے محفوظ ہوتا ہے، اس کی زندگی کا ہر پہلو ایسا ہوتا ہے، جس میں تقویٰ، خشیت، اخلاص و للہیت غالب ہوتی ہے۔

اس طرح کے شیخ سے دلی تعلق قائم کرنے کے نتیجے میں زندگی میں بنیادی تغیر برپا ہونے لگتا ہے۔

اس لئے کہ زندہ شخصیت جو ذکر کے نور سے سرشار ہے اور جو اللہ کی محبت کی رازداری ہے، اس سے محبت کے نتیجے میں نور اور محبت کے اجزاء دل میں داخل ہونا شروع ہو جاتے ہیں، ویسے بھی یہ حقیقت ہے کہ فرد، علوم و فنون میں جو مہارت حاصل کرتا ہے، وہ کتاب سے کہیں زیادہ ماہر استاد کی صحبت سے ہی حاصل کرتا ہے روحانی دنیا میں صحبت کا یہ عمل بہت زیادہ تاثیری اہمیت کا حامل ہے کہ اس سے سوچ کا رخ بدلنے لگتا ہے، دل میں فیصلہ کن تغیر برپا ہونے لگتا ہے، زندگی کے سارے پہلوؤں میں تبدیلی آنے لگتی ہے۔

یہ صحبت ہی ہے جو علم پر عمل پر پیرا ہونے کی استعداد پیدا کرتی ہے، دوسری صورت میں علم چالاکی، ہوشیاری اور دنیا کمانے کے حصول کا ذریعہ بن جاتا ہے، صحبت سے دل کی ویران دنیا آباد ہونے لگتی ہے، اس میں مزید اضافہ ذکر و فکر سے ہوتا ہے، اہل اللہ کی صحبت سے ان

کی شخصیت کا پورا مزاجی سانچہ، ان کا کردار اور ان کا طرز فکر مخلص طالب کے مزاج کا حصہ ہونے لگتا ہے، صحبت سے نفس کے سنورے اور اس کے تزکیہ کی صورت پیدا ہوتی ہے اور اندر میں نفس پرستی کی قوتوں کی طرف سے خواہشات، جذبات و احساسات کی صورت میں جو تمہلکہ برپا ہوتا ہے، اس سے چھکارہ حاصل ہوتا ہے۔

صحبت اہل اللہ سے شیخی اور بڑے پن سے بچاؤ کی صورت پیدا ہوتی ہے اور شخصیت میں ت واضح، انکساری اور چھوٹے پن کی راہ اختیار کرنے کا سلیقہ پیدا ہوتا ہے، صحبت سے دنیا پر مر منش کی ادائیں ختم ہو کر، دولت و دنیا کے حوالے، بے نیازی پیدا ہونے لگتی ہے، صحبت سے رفتہ رفتہ ذکر و فکر کا مزاج پختہ ہونے لگتا ہے اور اعمال صالح سے رغبت پیدا ہونے لگتی ہے، صحبت سے افراد معاشرہ کے ساتھ معاملات کو سلیقہ سے طے کرنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے، مزاج ٹھہراؤ، توازن، صبر، تحمل و بردباری کا حامل ہونے لگتا ہے۔

قرآن میں ہے یا ایها الذین امنوا تقو اللہ و کونوا معاصر الصادقین (اے ایمان والوں، تقویٰ اختیار کرو اور صادقین کی صحبت اختیار کرو) یعنی ایسے لوگوں کی صحبت جو قول و عمل کے تضاد سے پاک ہیں، جن کا ظاہر و باطن یکساں ہے، ایسے افراد کی صحبت کی تاثیر سے بیکی صفات شخصیت (طالب) میں پیدا ہونے لگتی ہیں، لیکن صحبت کا یہ عمل اس وقت تک اختیار کرنا ہے، جب تک نفس کے سنورے کے مراحل طے نہیں ہوتے اور دنیا کی محبت کے جذبات سرد نہیں ہوتے، نیز ذکر کا ملکہ راست ہو کر وہ مزاج کا حصہ نہیں بنتا۔

اگر مزاج میں اس بنیادی تبدیلی کے عمل سے پہلے صحبت سے دستبرداری اختیار کی گئی یعنی صحبت کو چھوڑ دیا گیا تو نفسی قوتیں غالب ہو کر، فرد پر از سر نو جملہ آور ہوں گی اور وہ دنیا اور مادیت کا حصہ بنے بغیر نہیں رہ سکے گا، اگرچہ وہ دینی فرائض کا بھی پابند ہو، لیکن اس کی باطنی حالت قابل رحم ہو گی، وہ سکون سے محروم ہو گا، دنیاوی تفکرات اسے گھیر لیں گے، اس لئے کہ طالب روحانی استاد کی معیت میں نفسی قوتوں پر روحانی قوت کو غالب کرنے کے جس

معرکہ سے گزر رہا تھا، اس نے نفس پر فتحیابی سے پہلے ہی راستہ کو منقطع کر دیا، اس کا نتیجہ نفسی قوتوں کے غلبہ کی صورت میں ہی ظاہر ہو سکتا ہے۔

آج ہم حالات کی ستم ظریفی، مہنگائی اور ضروریات زندگی کے وسائل کے فقدان کا رونما رہے ہیں، لیکن یہ صور تحال کیوں پیدا ہوئی ہے؟ اس پر ہم غور و فکر کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، یہ صور تحال اس لئے پیدا ہوئی ہے کہ ہمارے موثر طبقات نے اپنے لئے الگ دنیا بسائی ہے، وہ دنیا و دولت سے کھینے کی دنیا ہے، وہ دنیا، حرص و ہوس کے ہتوں کی پرستش کی دنیا ہے، وہ دنیا و دولت پر مجذون وار ہونے کی دنیا ہے، وہ دنیا قساوت قبی اور سنگدلی کی دنیا ہے، وہ دنیا ساری مراعات کو اپنے لئے مخصوص کرنے کی دنیا ہے، دولت و دنیا پر مجذون وار ہونے کا بنیادی سبب یہ ہے کہ اپنے پاکیزہ روحانی کلچر سے استفادہ کرنے پر نہ صرف آمادگی نہیں ہے، بلکہ ایک طرح سے اہل اللہ سے کدورت کامزاج غالب ہے، موثر طبقات کو اس کی سزا تو پیدا گئی ہے کہ وہ قلبی سکون کی نعمت سے محروم ہیں، اشتغال و جھنجلاہٹ کا شکار ہیں، قوی خزانہ کی لوت مار کی وجہ سے ایک آگ ہے، جوان کے دلوں کو جھلسار ہی ہے، عوام کو اس کی یہ سزا مل رہی ہے کہ وہ روٹی تک کے محتاج ہو گئے ہیں۔

اس عتاب سے بچنے کی واحد صورت بھی ہے کہ ہم سب اپنے طرز فکر اور طرز عمل پر نذر ثانی کریں اور اللہ سے عہد کریں کہ وہ روحانی کلچر کا حصہ بن کر مادی ہتوں (جس میں حرص و ہوس کے بت بھی شامل ہیں) کی پرستش سے دستبرداری اختیار کر کے، محض اللہ کی پرستش اختیار کریں گے نیز دولت جمع کرنے کے جنون کی روشن کی وجہے دولت میں عوام کو برابر کا حصہ دار بنائیں گے۔

دولت کے بت بظاہر خوبصورت نظر آتے ہیں، لیکن ان ہتوں میں دلوں کو جلانے کی چنگلاریاں موجود ہیں، جو دولتمندوں کی نیندیں حرام کر دیتے ہیں، حقیقی اہل اللہ جو صاحب فقر اور صاحب زہد ہیں، ان کی صحبت سے اگر فقر کے کچھ اجزاء حاصل کئے جائیں تو ہمارے موثر

طبقات آسانی سے دولت سے دستبردار ہو سکتے ہیں، اس طرح قوم کے لوٹے ہوئے اربابوں والوں وہ رضاخوشی سے قوم کو واپس کرنے کے لئے تیار ہوں گے، اس طرح ہمارا سارا بحران دور ہو سکتا ہے۔

یہ نکتہ واضح ہونا بھی ضروری ہے کہ روحانی پرواز کے دوپر ہیں، ایک صحبت اہل اللہ دوم ذکر و فکر کے مجاہدے، اگر ان میں سے ایک چیز کی بھی کمی ہوگی تو روحانی پرواز متاثر ہو گی اور نفس کے سفونے کے عمل میں دشواری ہو گی۔

جب ہم روحانی کلچر یا اہل اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے توجہ اس درگاہی سسٹم کی طرف جاتی ہے، جو بزرگوں کی اولاد در اولاد کی طرف سے قائم کردہ درگاہ سے وابستہ افراد جو شاہانہ زندگی گزارتے ہیں اور مالداروں سے مشاہدہ رکھتے ہیں، جن سے عام لوگوں کا ملنا دشوار ہے، اس طرح کے درگاہی سسٹم کو ہم "تبرک" کہہ سکتے ہیں، حقیقی روحانی کلچر نہیں کہہ سکتے، اس لئے کہ حقیقی روحانی کلچر میں بزرگ کو نفس کے خلاف مجاہدوں کے صبر آزمایاں مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور نفسی قوتوں سے جان خلاصی کے لئے آتش عشق میں جلنا پڑتا ہے، اس کے نتیجے میں محبوب حقیقی کی طرف سے اسے فقر اور زہد سے نوازا جاتا ہے اور اس کی شخصیت میں عاجزی، فنا یت اور چھوٹے پن کے اجزاء داخل ہو جاتے ہیں، نیز اس سے ملنا آسان ہوتا ہے اس لئے کہ نفس کو سفونے کے مراحل سے گزرنے کے بعد اس کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ افراد کی تربیت کے لئے ان کو ہر وقت دستیاب ہو، یادوں کے کچھ اوقات لوگوں سے ملاقات کے لئے مخصوص ہوں، بزرگ کی ایک علامت یہ بھی ہوتی ہے کہ اس کے ہاں ذکر و مراقبہ کا مستقل اہتمام ہوتا ہے، نیز وہ جماعتی اور گروہی وائیکنگی سے بلند ہو کر ہر مسلک اور ہر مزاج کے حامل فرد کے لئے اپنے دل میں وسعت رکھتا ہو، بلکہ سب سے محبت کا مزاج رکھتا ہو، اس طرح کے ہاں قیل قال کم ہوتی ہے، دل کی خفتہ صلاحیتوں کی بیداری کی صورت زیادہ ہوتی ہے۔

خوشحالی کی دو صورتیں ایک انعام۔ ایک آزمائش

معاشی خوشحالی کی دو صورتیں ہیں، ایک صورت عطا اور انعام ہے تو دوسری صورت ابتلاء آزمائش، انعام وہ صورت ہے، جس میں فرد، مالداروں کی طرح دنیا کی زیبائش، اور راحت کے سامان کی فکرمندی سے محفوظ ہو، جس کی طرز معاشرت میں شان و شوکت کا مظاہرہ نہ ہو، جو دولت کی نام و نمود اور اس کے مظاہرے سے بچتا ہو، جو دینی، دعوتی اور خدمت خلق کے کاموں میں دولت خرچ کرنے میں کشادہ دل واقع ہو، اور اس پر خوشی محسوس کرتا ہو، جس کی دولت میں غریب عزیز واقارب اور جانے والوں کا حصہ شامل ہو، اس طرح کی دولت اور معاشی خوشحالی انعام ہے۔

دوسری معاشی خوشحالی جو آزمائش ہے، وہ یہ ہے کہ فرد دنیا ہی کا بن کر رہ جائے، اس کی ساری مصروفیات کا ہدف دنیا ہی ہو، اس کی دولت، اس کے بڑے پن اور شیخی کا ذریعہ بن جائے، وہ دکھانے کے لئے دولت خرچ کرنے کے معاملے میں تو کشادہ دل ہو، لیکن جہاں نام و نمود اور شہرت کے حصول کے موقع نہ ہوں، وہاں دولت کے استعمال کے سلسلے میں اس کا پاتھر کر جائے۔

جاائز طریقہ اور مناسب وقت خرچ کرنے سے جو دولت حاصل ہو، وہ عطا اس لئے بھی ہے کہ اس سے دعوت دین اور اشتافت دین کے کام ہوتے ہیں، دعوتی، علمی اور دینی اداروں کو مستحکم کرنا نیکی کا بڑا کام ہے، جو تقویٰ کے صاحب معاشی خوشحالی کے حامل افراد کی طرف سے

ہوتا ہے، اس طرح کی معاشی خوشحالی بجائے خود خیر ہے، اس سے خیر کے بہت سارے کام ہوتے ہیں۔

لیکن دولت سے عام طور پر حب جادہ و حب مال اور حرص و ہوس، دوسروں پر بالادستی حاصل کرنے اور نام و نمود اور خود نمائی کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، اس اعتبار سے دیکھا جائے تو بہت زیادہ دولت آفت نظر آئے گی کہ اس سے شخصیت بے قابو ہونے لگتی ہے، اس کے باطن میں تہلکہ برپا ہونے لگتا ہے اور طبیعت میں فساد کے گھرے اجزاء شامل ہو جاتے ہیں۔ دولت کی ان خرابیوں سے بچاؤ کی بھی صورت ہے کہ روحانی کلچر کا حصہ بنا جائے اور ذکر و فکر سے کام لیا جائے، تاکہ دولت کی خرابیاں دل میں ظلمات پیدا کرنے اور دل کو اغلوی کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔

خوشحالی کی دوسری صورت میں زندگی کے ہر موڑ پر سخت محتاط ہونے کی ضرورت در پیش ہوتی ہے، اس لئے دولتمندی، فرد کو دولتمندوں سے تعلقات رکھنے کی طرف راغب کرتی ہے، یہ تعلقات شروع میں خالص کاروباری نوعیت کے ہوتے ہیں، لیکن بعد میں یہ تعلقات دوستی میں تبدیل ہو سکتے ہیں، اس سے بچاؤ کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ نفس کو روحانی کلچر سے بھر پور استقادہ کرنے پر راغب کیا جائے، اور روحانی استاد سے تعلقات کو مستحکم سے مستحکم تر کیا جائے، دوسرے یہ کہ دولت کا ایک حصہ دینی اداروں، دعوتی و اشاعتی کاموں اور سماجی خدمت کے اداروں کے لئے مخصوص کیا جائے، ان دو تدبیر سے دولتمندی کے مضر اثرات سے بچاؤ کی مؤثر صورت پیدا ہو سکتی ہے۔

علمی جبابات، اس کے نقصانات اور ان سے بچاؤ کی صورت

روحانی کلچر کے ماہروں کا کہنا ہے کہ دین کی ضروری تعلیمات کا علم ہونانا لگزیر ہے، تاکہ زندگی بھر کے معاملات میں دین کے تقاضوں سے واقعیت حاصل ہو سکے، البتہ اس کے ساتھ نفس کو سنوارنے، اخلاص و یقین پیدا کرنے، قول و فعل میں تضاد کو ختم کرنے اور اپنے علم پر عمل پیرا ہونے کی استعداد کے لئے صحبت اہل اللہ اور ذکر و فکر کے مجاہدے ناگزیر ہیں، اس کے بغیر نافع علم کی صلاحیت کا پیدا ہونا دشوار تر ہے، بلکہ ایسا علم فرد کی اپنی ذات کی معرفت اور اپنی نفسی قوتوں کے فہم کے سلسلے میں جاہب بن جاتا ہے، العلم جاہب الاکبر۔ علم چونکہ اپنے ساتھ علمی برتری، اپنی شخصیت پر غیر معمولی خود اعتمادی کے جبابات لاتا ہے، اس لئے جتنا بڑا علم ہو، اتنے زیادہ مجاہدوں کی ضرورت ہے، دوسری صورت میں علم معاشرے میں افتراق اور انتشار پیدا کرنے اور علم کے نام پر اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے، معاشرے میں مقام اور شہرت حاصل کرنے اور دوسروں کی تردید کی راہ پر گامزن کرنے کا ذریعہ بنے گا، بلکہ بعض بزرگوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ علم کے حصول میں اگر پندرہ سال صرف ہوتے ہیں تو تزکیہ نفس (نفس کو سنوارنے) اور اسے مہذب بنانے کے لئے فرد کو بیس سال صرف کرنے چاہئے، تاکہ علم کو وہ نور حاصل ہو سکے، جس سے وہ زندگی بھر کے معاملات میں الفاظ کے علم سے آگے بڑھ کر حکمت و بصیرت اور فہم و فراست کا صاحب بن سکے۔

زیادہ علم اپنے ساتھ زیادہ نازار علمی برتری کے زیادہ احساسات لاتا ہے، وہ اپنے علم کی وجہ سے دوسروں کو کوئی اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا، وہ سب کو تنقید کے تیروں کا نشانہ بناتا ہے، تزکیہ سے محروم علم فرد کو یہی سکھاتا ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے، اب اسے معرفت نفس، معرفت رب اور اپنے اندر میں ڈوب کر خود احتسابی کی کوئی ضرورت نہیں ہے، بد میتی کی بات یہ ہے کہ جوں جوں فرد کے علم میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، اسی حساب سے فرد کی نفیت اور نفس کے بگاڑ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

علم کو نافع بنانے کی بہتر صورت تو یہ تھی کہ نظام تعلیم میں اللہ کی محبت کو نصب العین کی حیثیت سے شامل کیا جائے اللہ کی محبت کا نصب العین جب دل، روح اور مزانج کا حصہ بن جاتا ہے تو اس سے نفسی قوتوں کی ٹوٹ پھوٹ اور نفسی جبابات کی دوری کی از خود صورت پیدا ہوتی، اس طرح افراد کے فساد سے معاشرے کے بجاوے کی صورت پیدا ہوتی، لیکن بد قسمتی سے نہ توجید درستگاہوں میں اور نہ ہی دینی درستگاہوں میں اللہ کی محبت کے نصب العین کو نظام تعلیم کا حصہ بنایا گیا ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ تعلیمی اداروں سے نکلنے والے افراد علمی برتری، ذہنی برتری، دولت کمانے کے جنون، بد دینی اور دوسرے اخلاقی امراض کا شکار ہو جاتے ہیں۔

علمی جبابات سے بچے کی ایک موثر صورت یہ ہے کہ کچھ عرصہ کے لئے اپنے علم کی نفسی کر کے، دل کو خالی کر کے اپنے دل کو مکمل طور پر کسی اہل اللہ کے سپرد کرنا ہے، تاکہ وہ اپنی صحبت کی تاثیر سے نفسی جbabات کو دور کر سکے، اس طرح فردنافع علم کی استعداد سے بہرہ دوڑ ہو سکے، اگر ایسا نہ کیا گیا تو فرزندگی بھر جbabات میں مبتلا رہے گا اور علم کی حقیقت، اس کی گہرائی اور اس میں پوشیدہ نور تک رسائی سے محروم رہے گا۔

علم، تنقیدی مزاج بھی پیدا کرتا ہے، ایسے فرد کی تنقید سے کوئی طبقہ محفوظ نہیں ہوتا، وہ تنقید کے اس شغل کو دینی خدمت کا کام بھکر کرتا ہے، حالانکہ اکثر یہ تنقید علمی برتری کا نتیجہ ہوتی ہے، حکمت و فہم و فراست سے محرومی اور نفسی جbabات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے وہ زندگی بھر اس شغل میں مصروف رہتا ہے، اس اعتبار سے تزکیہ سے محروم صاحب علم شخصیت از حد قابل رحم ہوتی ہے۔

علم یادیں کے نام پر تنقیدی مزاج کی کچھ علامتیں یہ ہیں (۱) تنقید کو وظیفہ بنایا جائے (۲) دوسروں پر تنقید سے خوش محسوس کی جائے اور اس کے بغیر رہانے جائے (۳) تنقید کے اسلوب میں سختی کا پہلو غالب ہو، جس سے متعلقہ افراد میں رد عمل کی نفیتیں پیدا ہو (۴) اپنی بات کو ثابت طور پر پیش کرنے کی بجائے ہر صورت میں دوسروں کی تغایط اور تنقید کو عادت بنایا جائے (۵) تنقید کے ذریعہ اپنی علیت اور اپنی علمی شان کو اجاگر کیا جائے (۶) تنقید کے ذریعہ دوسروں کے اعتماد کو مجروم کیا جائے۔

علمی برتری کی حامل شخصیت کی اصلاح محض ذکر و فکر اور صحبت سے نہیں ہوتی، بلکہ ایسے قابل رحم مریض کے لئے روحانی استاد یہ نسخہ تجویز کرتا ہے کہ وہ کچھ وقت کے لئے

مضامین اور کتابیں لکھنے اور تقریر کا عمل بند کرے، اس لئے کہ اس سے اس کی علمی برتری میں مزید اضافہ ہو گا۔ کچھ وقت کا تعین روحانی استاد طالب کے حالات کو دیکھ کرے گا کہ اتنے وقت کے بعد اسے تحریر اور تقریر وغیرہ کی اجازت حاصل ہو گی، اس کے بعد اس کی تحریر اور اس کی گفتگو میں وہ تاثیر پیدا ہو گی کہ دلوں میں تغیر برپا ہونا شروع ہو گا۔

صاحب علم شخصیت کو اپنے اوپر رحم کھانا چاہئے اور تزکیہ سے محروم علم کی آفت سے بچنے اور محض اللہ کے لئے علمی خدمت کے کام کو سرانجام دینے کے لئے اپنے آپ کو اللہ کے دوستوں کے سامنے پامال کرنا چاہئے، اور ان کے سامنے اپنے علم کی فنی کرنی چاہئے وہ ان کے حالات اور ان کے دل میں جو بھی تغیر برپا کرنا چاہیں ان پر چوں چرا کرنے سے احتراز کرنا چاہئے، یہ ان صاحبان علم کے لئے نجح ہے، جو اپنی اصلاح کی تنار کھتھے ہوں، جن میں یہ طلب ہی موجود نہ ہو، ان کا تو کوئی علاج ہی نہیں۔

جب صاحب علم شخصیت اہل اللہ کے زیر پرستی مجاہدوں کے ذریعہ آتشِ عشق کی بھیثی سے گزر کر کدن بن جاتی ہے تو وہ اپنی علمی اور ذہنی صلاحیتوں کے ذریعہ معاشرے خیر سگانی پیدا کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہے، وہ علم نافع کی دولت اور اخلاص سے مالا مال ہو کر معاشرے کو معطر کرتی رہتی ہے، اب اس کی تنقید، تنقید نہیں ہوتی، بلکہ وہ محبت کا یام ہوتی ہے، اب تنقید اس کا بدف نہیں ہوتی، بلکہ اس کی تحریر و گفتگو میں تنقید ضمی نو عیت کی ہوتی ہے، اب اس کی تنقید سے توڑ کی بجائے جوڑ پیدا ہونے لگتا ہے، اس لئے کہ وہ تنقید جس دل سے نکلی ہوئی ہوتی ہے، وہ دل اللہ کی محبت سے لبریز ہوتا ہے، اللہ کی محبت سے لبریز دل دوسروں کو متاثر کر کے اپنے قریب کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوتا ہے۔

یاد دکھنا چاہئے کہ علم کی چار صورتیں ہیں، الفاظ کا علم، معنی کا علم، مفہوم تک رسائی کا علم، نور تک پہنچنے کا علم، علم کی چاروں صورتیں ضروری ہیں، لیکن نور تک رسائی کا علم سب سے زیادہ ضروری ہے، اس لئے کہ فرمایا گیا ہے کہ یہ دل اللہ لنورہ من یہاں اللہ تعالیٰ ہے چاہتا ہے اپنے نور سے فیضیاب کرتا ہے، علم کی یہ آخری سطح خود احتسابی، معرفت نفس اور معرفت رب کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے، جس سے نفسی قوتیں مضھل ہو کر فرد خالص اللہ کا ہو جاتا ہے، صاحب علم شخصیت جب علم کی اس آخری سے سطح پوری طرح بہرہ ور ہو جاتی ہے تو وہ اپنی شخصیت میں سراپا خیر بن جاتی ہے، روحانی کلپھر دراصل فرد و افراد کو علم کی اس آخری سطح تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔

ذکر کا بندہ مومن کا سب سے بڑا سہارا ہونا

ذکر زندگی کا سب سے بڑا سہارا ہے، زندگی کے دورا ہے پر فرد جب بھی حیران و پریشان اور ذہنی دباو کا شکار ہو اور مزاج میں چڑھا پیں، اضطراب اور بے قراری پیدا ہو تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ یہ روح کا اضطراب ہے اور روح محبوہ کے لئے بے تاب ہے، اس کی یہ بتا بی ذکر کے ذریعہ ہی ختم ہو سکتی ہے، اس کی دوسری کوئی صورت موجود نہیں ہے، ذکر، فرد کی شخصیت کو تمام یافتا ہے، اسے سکون و سکینت سے سرشار کر دیتا ہے، مادی حوالے سے اس کی ساری پریشان خیالی کو رفع کر دیتا ہے، اس کے خیالات میں پاکیزگی پیدا کر دیتا ہے، اس کی پژمردگی کو دوور کر دیتا ہے، ذکر بندہ مومن کا ایسا سہارا ہے، جس سے بڑا سہارا نہیں ہے، فال کو دنیا اذکر کم، یہ اللہ کا فرمان ہے۔

بندہ مومن، زندگی میں بہت سارے مسائل، مشکلات اور خیالات کے نہ ختم ہونے والے سلسلے سے دوچار ہوتا ہے، یہ خیالات اور بے یقینی کی حالات اس کا اس طرح گھیراؤ کر لیتی ہے کہ فرد کی داخلی زندگی یعنی باطن میں کہرام نجی جاتا ہے اور شخصیت میں تہلکہ برپا ہونے لگتا ہے، یہ ساری صور تھال روح کو اس کی خوراک نہ دینے کے نتیجے میں ہی پیدا ہوتی ہے، جوں ہی دل اور روح کو اس کی اصل غذا ذکر کی صورت میں کافی مقدار میں ملنے لگتی ہے تو شخصیت میں ٹھہراؤ پیدا ہونے لگتا ہے اور شخصیت سکون و سکینت سے بہرہ ور ہونے لگتی ہے اور مسائل و مشکلات کا پہاڑ ہٹ جاتا ہے، سبب یہ ہے کہ مسائل اور مشکلات کا احساس ہی فرد کی شخصیت کو بلا کر رکھ دیتا ہے، جب ذکر کے ذریعہ اللہ سے رابطہ و تعلق پیدا ہوتا ہے تو ایسی سکینت پیدا ہونے لگتی ہے کہ مسائل و مشکلات کا پہاڑ، پہاڑ نہیں، بلکہ تک نظر آتا ہے۔ اضطراب، بے قراری اور بے سکونی دراصل نام ہے محبوہ حقیقی سے دوری کا، بندہ مومن جوں ہی محبوہ سے تعلق قائم کرتا ہے اور وہ کائنات کی سب سے بڑی ہستی کا سہارا الیتا ہے تو وہ ہستی اسے اپنے قریب کر کے اسے تمام یافتی ہے، جس طرح بچہ ماں کے تھوڑے وقت کی جدائی سے رونے لگتا ہے، تو اپنے لگتا ہے، ماں اس کی یہ حالت دیکھر، اسے گود میں لے کر اس سے پیار کر لیتی ہے۔

یہی معاملہ بندہ کے ساتھ محبوب حقیقی کا ہوتا ہے، بندہ ذکر سے دور ہوتا ہے تو گویا وہ محبوب سے دور ہوتا ہے، یہ دوری اس کے دل اور روح کو تڑپا دیتی ہے، دل اور روح کے تڑپے سے ساری شخصیت اضطراب کے انگاروں پر لوٹنے لگتی ہے۔

پادر کھیں کہ ذکر سے محروم یادوری یا ذکر میں وفقہ کی وجہ سے دل میں تاریکی پیدا ہونے لگتی ہے، دل کی اس تاریکی کے ساتھ فرد جب اپنے حالات، مسائل و معاملات کا جائزہ لیتا ہے تو اسے مسائل کے پہاڑ نظر آنے لگتے ہیں اور اسے چہار سوتاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے، اس طرح فرد مسائل کے پہاڑ تسلیم کرنے والے ہیں اس لئے ذکر کا اہتمام ناگزیر ہے، اسے زندگی اور موت کے مسئلے کی اہمیت دینی چاہئے، ذکر، بندہ مومن کا سب سے بڑا سہارا ہے، جب بھی پریشانی، اضطراب اور بے قراری ہو، ذکر کا سہارا لینا چاہئے، بلکہ ذکر کی عادت اتنی پختہ ہوئی چاہئے کہ اضطراب پیدا ہی نہ ہو۔

ذکر ایسی چیز ہے جس کا کوئی بدل ہی نہیں ہے، کائنات کی ہر چیز ذکر و تسبیح کرتی ہے تسبیح لہ السیوط والارض ومن فیہن آسمان اور زمین اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہیں، قرآن میں ایک جگہ ہے و من یعرض عن ذکرربہ یسلاکہ عذاباً صعداً (جواب پنے رب کے ذکر سے منہ موڑے گا) اس عذاب کی ایک ہلکی جھلک اس دنیا میں بھی محسوس ہوتی ہے کہ حرص و ہوس اور حسد و جلن کی ایک آگ ہے جواندر میں بڑا ہوتی رہتی ہے، دکھ کی بات یہ ہے کہ فرداں آگ میں جلانا برداشت کرتا ہے لیکن ذکر کی طرف آنے کے لئے تیار نہیں ہوتا، سبب یہ ہے کہ ذکر نفس پر سب سے بھاری چیز ہے، اس لئے کہ نفس کی سرنشیت میں سرکشی رکھنی گئی ہے، وہ اللہ کے لئے نیکو ہو جانے اور خالص اللہ کے ہو جانے کی راہ میں شدید مراجحت اختیار کرتا ہے، نفس کی اس مراجحت کا مقابلہ ہوتا، حوصلہ اور استقامت سے ہی ہو سکتا ہے، چونکہ نفس کا ہمالیہ پہاڑ ذکر کے ذریعہ ہی طے ہو سکتا ہے، اس لئے جب تک ذکر کو ترجیحات کی فہرست میں اولیت نہیں دی جائے گی، تب تک نہ توز ذکر کی راہیں کھلیں گی اور نہیں نفس کا پہاڑ طے ہو سکتا ہے۔

ذکر سے محروم کی سب سے بڑی سزا جو فرد کو ملتی ہے، وہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے اسے حرص و ہوس کے مرض میں مبتلا کیا جاتا ہے، وہ دنیا کا ایسا حریص ہو جاتا ہے کہ دولت سے اس کی سیر ہی نہیں ہوتی، اس کی یہ بھوک مٹنے کا نام ہی نہیں لیتی، سکون نام ہی چیز تو اسے سرے سے حاصل ہی نہیں ہوتی، اس اعتبار سے وہ دنیا کا سب سے زیادہ قابلِ رحم اور محروم انسان ہوتا ہے۔

ذکر کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ فرد خراب عادتوں سے رفتہ رفتہ نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا ہے اور بہتر اور پاکیزہ عادتیں آہستہ آہستہ اس کے مزاج کا حصہ ہونے لگتی ہیں۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قلب اور روح کو روزمرہ زندگی میں جو سکینت مطلوب ہوتی ہے، وہ اسے ذکر سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

یہ لکھتے سمجھنا بھی ضروری ہے کہ ذکر کو مزاج کا حصہ بنانے کے لئے خاص ماحول چاہئے، یہ ماحول اہل اللہ کی صحبت اور ان سے رابطہ کی صورت میں ہی حاصل ہوتا ہے، اہل اللہ کے مزاج کی تشکیل چونکہ ذکر سے ہی ہوئی ہے، اس لئے اپنے دل کو ان کے حوالے کرنے اور ان سے مسلسل رابطہ رکھنے کے تیجے میں ذکر سے مانو سیت پیدا ہونے لگتی ہے اور اس کا ذوق و شوق بھی۔ ولذکر الله اکبر (الله کا ذکر بہت بڑی بات ہے)۔

اللہ نے ہمیں نفس کی صورت میں قسمت برپا کرنے، سرکشی اختیار کرنے اور اپنی الوہیت کی دعویٰ کرنے کی جو قوت دی ہے، اس قوت سے پچنانہ ساری سعادتوں کی بنیاد ہے، یہ سعادت ایسے افراد ہی کو حاصل ہو سکتی ہے، جو اللہ کے ذکر کو اپنا وظیفہ بناتے ہیں، ذکر و اہل ذکر کی صحبت میں یہ صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے کہ وہ جملہ شرارتلوں سے پیچ کر اللہ کی حفاظت اور اس کی پناہ میں آسکتے ہیں، انسانی دنیا میں اب تک جو بھی فساد برپا ہوا ہے، جس کی وجہ سے ماضی میں بہت ساری قومیں تباہ ہوئیں، وہ سارا فساد نفس ہی کا پیدا کر دہ تھا، اس وقت بھی دنیا میں انسانیت کو پامال کرنے اور اللہ کی زمین کو سرکشی اور فساد سے بھرنے میں سارا کردار نفس پرست انسانوں ہی کا ہے۔

قوموں کی سطح سے لے کر محلہ کی سطح تک بگاڑ کی جو قوتیں دندناتی پھر رہی ہیں، اس کا اصل علاج تو یہ ہے کہ صالح انسانوں پر مشتمل حکومت ہو، جو اس بگاڑ کی روک تھوڑم کا کردار ادا کرے، لیکن عملی دنیا کے حقائق اس سے مختلف ہیں، بگاڑ کی قوتیں اتنی طاقتور ہیں کہ وہ صالح انسانوں کی اقتدار تک رسائی کی صورت میں ہونے نہیں دیں گی، پھر بچاؤ کی دوسری صورت یہ ہے کہ فرد و افراد خود مہذب ہونے کے لئے کوشش ہوں اور فساد کی عالمگیر قوتوں کے اثرات سے آخری حد تک بچنے کی کوشش کریں، تاکہ وہ دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں خسارہ سے پچ سکیں، اس کی صورت یہی ہے کہ اللہ کے ذکر کا سہارا لیا جائے اور اہل اللہ کی صحبت اختیار کی جائے، یہ دونوں چیزیں مل کر فرد و افراد کو ہر طرح کے فساد سے بچانے کا کردار ادا کریں گی۔

راہ محبت میں بے قراری کے حالات

راہ محبت میں آئے دن طالب کے دل پر اضطراب اور بے قراری کے تیر گرتے رہتے ہیں، جو اس کے دل کو چھلنی کر دیتے ہیں، اس وقت طالب سراپا غم بن جاتا ہے، وہ محبوب سے شکوہ بھی نہیں کر سکتا، اس لئے کہ محبوب کی شان بہت بلند ہے، اس سے شکوہ ہو نہیں سکتا، بے قراری کے یہ لمحات طالب کو ہلاکر کر دیتے ہیں۔

طالب کی اس حالت کو شاہ عبداللطیف بھٹائی نے درج ذیل شعر میں بیان کیا ہے۔

ساجن اوہ ان ڈار ڈنم اج ڈینہن قیام جو

اے محبوب، آپ کے انوار کے بغیر آن کادن میرے لئے قیامت کادن ہے۔
یہ قیامت خیز حالات طالب کو قیامت کا منظر یاد دلاتے ہیں۔ بے قراری کے یہ انگارے نفس کو مہذب بنانے کے لئے بھی ہوتے ہیں کہ نفس کا دیو اس کے بغیر قابو میں نہیں آتا، اس سے شخصیت میں موجود بڑے پن کی بیانیاد اکھڑ جاتی ہے، اور عاجزی و انساری پیدا ہو جاتی ہے، بے قراری کے یہ انگارے گناہوں کی وجہ سے بھی گرتے ہیں، مثلاً کثرت گوئی اور لا یعنی گفتگو کی گئی، یاد بیانیاد اور مالدار افراد سے تعلقات استوار کرنے یا فراکض کی ادائیگی میں مجرمانہ غفلت کی گئی، یا سو شل میڈیا میں مادی حسن کے مناظر سے محظوظ ہو گیا، اس طرح کے گناہوں کی وجہ سے بھی محبوب کے جلالی صفات کے عکس گرنے لگتے ہیں۔

اضطراب اور بے قراری کے یہ حالات اگرچہ بظاہر طالب کے لئے بہت زیادہ صبر آزمہ ہوتے ہیں، لیکن یہ حالات طالب کو بیدار کر کے، اسے محبوب سے مزید قریب کرنے اور محبوب کے سامنے آہ وزاری اختیار کر کے، اس سے معافی کا معاملہ کرنے کی دعا پر اکساتے رہتے ہیں۔

غم و اندہ کے یہ حالات ایسے ہوتے ہیں کہ اس وقت طالب جیران و ششدہ رہتا ہے کہ وہ کیا کرے، اس لئے کہ بے قراری اس کا احاطہ کر لیتی ہے، غم اس کے دل کو گھیر لیتا ہے، یہ حالات ایسے ہیں کہ ان سے گزرے بغیر طالب کے لئے کوئی چارہ کارہی نہیں، مبتدی اور متوسط طالب تو خیر ان حالات سے گزرتا ہی ہے، جس سے ان کے سلوک کے سفر طے کرنے اور راہ سلوک میں آگے بڑھنے کی راہیں ہموار ہوتی ہیں، لیکن منتہی صوفی بھی اگر اصولوں کی خلاف ورزی کرے گا تو اسے بھی جلالی صفت کے تیروں سے چھلنی کیا جاتا ہے، تاکہ وہ پوری طرح آداب عبیدیت بجالائے اور حدود سے تجاوز نہ کرے، دنیاداری والداری کے میلانات سے بچنے کے لئے ہر ممکن حد تک کوشش ہو۔

روحانیت میں ترقی کے لئے بے قراری کے انگاروں سے گزرے بغیر چارہ کار نہیں، اگرچہ ذکر سے بھی ترقی ہوتی ہے، لیکن شخصیت کو چھلنی کرنے والے بے قراری کے تیروں سے جو ترقی ہوتی ہے وہ بہت زیادہ ترقی ہوتی ہے کہ طالب مہینوں کا سفر دونوں میں طے کر لیتا ہے۔

نفس کو سونوارنے اور اسے مہذب بنانے کے لئے بے قراری اور قبض کے تیروں کو برداشت کرنا ہم ہر اعتبار سے ضروری ہے، اس اعتبار سے بھی ہا کہ فرد آخترت میں اللہ کے جلالی صفات کے عکس اور اس کے جلال سے بچ سکے، اس اعتبار سے بھی نا گزیر ہے تاکہ فرد روزمرہ زندگی میں نفس کی پیدا کردہ شراروں اور اس کے شر سے بچ سکے اور اپنے لئے اور خود افراد معاشرہ کے لئے کار آمد اور مفید ثابت ہو سکے۔

راہ سلوک و راہ محبت کی گھاٹیاں یہی ہیں کہ طالب حوصلہ اور ہمت کے ساتھ ہر طرح کے حالات میں آگے بڑھتا رہے اور قبض و بے قراری سے گھبرانے اور فرار کے راستے تلاش کرنے کی بجائے استقامت سے چلتا رہے۔

اندر کی آنکھیں کھلے بغیر کام نہیں بنتا

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ جب تک اندر کی آنکھیں نہیں کھلیں گی، تب تک دنیا میں محیت (استغراق) دنیا سے مرعوبیت، اس کی خوف زدگی اور دنیا کی خوشنامی کے تصورات غالب رہیں گے اور ان سے نکلنے کی کوئی صورت پیدا نہ ہوگی، اندر کی آنکھیں ذکر و فکر اور عبادت کے ذریعہ اللہ سے تعلق متحمل کئے بغیر نہیں کھلتی۔

جب باطن کی گہرائیوں میں دنیا غالب ہوتی ہے تو اس کی وجہ سے قلبی اور ذہنی سکون تو غائب ہوتا ہے، لیکن دوسرا بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ زندگی کے قیمتی دن (شب و روز) دنیاوی تفکرات میں گزرنے لگتے ہیں، نیز زندگی سے برکت رخصت ہونے لگتی ہے۔

باطن کی ویرانی اور اندر کی آنکھوں کا بند ہونا، یہ انسان کا سب سے بڑا لیہ ہے، اس سے بڑا لیہ کوئی دوسرا ہو نہیں سکتا۔

اس کی وجہ سے ہوتا یہ ہے کہ اللہ کی محبت، اس کے ذکر سے ذوق و شوق اور آخرت کی فکر مندی کے علاوہ دنیا کے سارے کاموں کے لئے وقت موجود ہوتا ہے، کارو بارو ملازمت کی مصروفیت، سو شل میڈیا کے ذریعہ دنیا بھر کے حالات معلوم کرنے کی فکر مندی جیسے کام فرد کا اس طرح احاطہ کر لیتے ہیں کہ دل میں ملചانہ عبارت اور ذکر و فکر کے لئے گنجائش ہی باقی نہیں ہوتی۔ اس کے بغیر نہ تو اخلاق و کردار میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی سلیقہ انسانیت سے بہرہ وری ہوتی ہے۔

اللہ کی محبت اور ذکر و فکر سے محرومی کی یہ اتنی بڑی سزا ہے کہ فرد شب و روز بے قراری کے انگاروں پر لوٹنے لگتا ہے، دولت اور دنیا کی فکر مندی اور حرمس اس کا احاطہ کر لیتی ہے۔

اس طرح اللہ کی محبت اور ذکر و فکر سے محرومی کے دو بڑے نقصانات ہوتے ہیں، ایک دنیا کی محیت میں وقت ضائع ہونے کی وجہ سے سکون سے بے بہری، دوم آخرت میں

اللہ کی سزا اور اس کا عتاب، یہ عتاب ایسا ہو گا کہ فرد کے ہوش و حواس اڑ جائیں گے، جب اندر کی آنکھ کھلنے لگتی ہے (جو ظاہر ہے کہ ترث ذکر و فکر سے ہی کھلے گی) تو اس سے دنیا کے حوالے سے بے فکری پیدا ہونے لگتی ہے، فرد روزگار کے لئے کچھ وقت صرف کرنے کے بعد اپنے معاملات اللہ کے حوالے کر دیتا ہے، اللہ اس کو قیامت کی دولت عطا فرماتا ہے، اور اسے دنیا کی بہتات کی بیماری اور دنیا کی فکر مندی سے بچاتا ہے۔ فرداً اگر اس پات کو سمجھ لے تو وہ دنیا و آخرت کے ہولناک خسارہ سے نجات دے سکتا ہے، لیکن اس نکتہ کے سمجھنے کے لئے ذکر و فکر کی دافر مقدار میں خوراک چاہئے، جس سے باطن کی وسیع دنیا منور ہو جاتی ہے، اور لا شعور پر تجلیات کا ورود ہونے لگتا ہے، اور لا شعور سے نکلنے والے احساسات فرد کی زندگی کو پاکیزگی کا نمونہ بنادیتے ہیں۔

اس نکتہ کو سمجھنا سب سے زیادہ ضروری ہے کہ قدرت جسے دنیا میں سزادینا چاہتی ہے، اس کے باطن کو ویران کر دیتی ہے، اس کی علامت یہ ہے کہ وہ دنیا کے بارے میں تو غیر معمولی طور پر حساس ہوتا ہے، لیکن آخرت کی فکر مندی سے خالی ہوتا ہے، نیز ملചانہ عبادت، ذکر و فکر اور صالح انسانوں کی صحبت کے کام کو وہ کوئی اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

دنیا کے حوالے سے پیدا ہونے والے سارے مسائل کی بنیاد یہ ہوتی ہے کہ فرد حقوق اللہ و حقوق العباد کے بارے میں بے حصی کا شکار ہوتا ہے، یہ بے حصی باطن کی ویرانی کی وجہ سے ہی پیدا ہوتی ہے، اس کی وجہ سے قدرت اس کے مسائل کو اس قدر پیچیدہ کر دیتی ہے کہ وہ مسائل کا مجموعہ بن جاتا ہے، ظاہری وسائل اور ذہانت ہونے کے باوجود اس کی یہ حالت ہونے لگتی ہے۔

الحاصل یہ کہ اندر کی آنکھیں کھلنے سے مادی مسائل کے احسان شدت سے نجات ملتی ہے، قلبی سکون کی دولت عظمیٰ عطا ہوتی ہے، حکمت و فراست نصیب ہوتی ہے، لاشعور پر تجلیات کا ورود ہونے لگتا ہے، جس سے فرد حلاوت سے سرشار ہونے لگتا ہے۔ اندر کی آنکھوں کے بیداری سے ہماری مراد دل کی آنکھوں کی بیداری ہے، قرآن میں ایک جگہ ہے۔

فَإِنَّهَا لَا تَعْنِي الْأَبْصَارَ وَلَكِنْ تَعْنِي الْقُلُوبَ الَّتِي فِي الصَّدَوْرِ - (پس آنکھیں انہی نہیں ہوتی بلکہ سینے میں جodel ہوتے ہیں، وہ انہی ہوتی ہیں)۔
اس آیت میں دل کی آنکھوں کی بیداری کی اہمیت پوری طرح اجاگر ہوتی ہے۔

اللہ پرستی پر مبنی روحانی کلچر کچھ تجربات و مشاہدات

ہمارے ایک دوست تھے، جو اب انتقال کر گئے ہیں، اللہ ان کی مغفرت فرمائے، وہ ایک دینی ادارے کی طرف سے نکلنے والے ماہنامہ رسالے کے اعزازی مدیر تھے، بہت اچھا مطالعہ تھا، لیکن وہ شدید ذہنی دباؤ کا شکار رہتے تھے، مزاج پر اشتعال اور تشدید غالب تھا، اسی مزاج کی وجہ سے گھروالوں اور دوست احباب سے ان کی نہیں بنتی تھی، علمی مزاج کی وجہ سے مجھ سے ان کا رابطہ رہا ہے۔ ان کی ایک بڑی کمزوری یہ تھی کہ مغربی تہذیب سے مرعوب تھے اور مغرب کی اجتماعی زندگی کو دوسروں کے لئے قابل تقلید سمجھتے تھے، اس سلسلے میں وہ مسلمان ممالک اور پاکستان کے حالات کا مغرب کے حالات سے قابلی مطالعہ کرتے تھے تو ان کے مزاج کی شدت میں اضافہ ہو جاتا تھا اور جذبائی ہو جاتے تھے، کہتے تھے، دنیا میں اہل پاکستان سے زیادہ بدتر دوسری کوئی قوم نہیں ہو سکتی، مغرب سے اس مرعوبیت اور مسلمانوں سے اس بد نظری بلکہ کدورت کی وجہ سے ہی انہیں سزا کے طور پر شدید ذہنی دباؤ کا شکار ہنا دیا گیا تھا، اس ذہنی دباؤ سے بچنے کے لئے انہوں نے کافی علاج کیا، لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا، ان کے گھروالے اور دوست احباب سب ان سے شاکی رہتے تھے، مجھ سے ایک نوعیت کا تعلق رکھنے کی وجہ سے وہ مجھ سے زیادہ قریب تھے، کہتے تھے مزاج کی اس سختی اور ذہنی دباؤ کا کوئی علاج بتایئے، چونکہ وہ تصوف اور روحانی کلچر کے سخت مخالف تھے، تصوف کی حمایت میں بات سنتے ہی وہ طیش میں آ جاتے تھے، اس لئے ان کو روحانیت کا حصہ بننے کی دعوت دینا تو صحیح نہیں تھا، البتہ میں نے اس سے کہا کہ وہ تبلیغی جماعت کے ساتھ چلے کے لئے نکل جائیں، اس سے ان شاء اللہ ان کی طبیعت میں ٹھہرا دیا گا۔

کہنے لگے، میں نے تبلیغی جماعت میں چار ماہ بھی دیئے ہیں، ساتھ ساتھ کئی چلے بھی کاٹے ہیں لیکن مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوا، فائدہ نہ ہونے کا سبب استفادہ سے زیادہ اعتراض کی نفیسات تھی، جوان پر غالب تھی، میں نے ان سے کہا کہ آپ اگر دس منٹ کے مراقبہ کے لئے وقت نکال سکتے تو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ آپ کے ذہنی دباؤ اور مزاج کی سختی میں کمی واقع ہو گی، وہ چونکہ ذہنی دباؤ کے مرض کے بارے میں زیادہ حساس تھے، اس لئے انہوں نے مراقبہ شروع کر دیا۔ مراقبہ سے انہیں کافی فائدہ بھی ہوا، لیکن وہ اس کے تسلسل کو جاری نہ رکھ سکے۔

اس واقعہ کے بیان کرنے کا حاصل یہ ہے کہ مغرب سے ذہنی مرعوبیت، اپنے پاکیزہ کلچر سے کدوڑت اور اہل اسلام پر مادہ پرست مغرب کو ترجیح دینے اور انہیں افضل سمجھنے کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اس سے قدرت کی طرف سے سزا ملتی ہے کہ علم کی نافیعت اور ذہانت وغیرہ بے فائدہ ثابت ہوتی ہے اور فرد کا ذہنی اور مزاجی توازن بگزرا جاتا ہے، ایمان کی دولت اتنی بڑی دولت ہے کہ اس سے بڑھکر دوسری نعمت ہو نہیں سکتی، مسلمانوں کی بعض خرابیوں کی وجہ سے اہل مغرب (مادہ پرست) کو ان سے افضل سمجھنا اور اپنے روحانی کلچر سے کدوڑت کا ہونا، یہ ایسی چیزیں ہیں جو قدرت کو سخت ناپسند ہیں، اس کی سزا کے طور پر اس طرح کا عتاب ہو سکتا ہے۔

مغرب سے مرعوبانہ ذہنیت ہمارے مقتدر طبقات میں بہت زیادہ ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ ہماری اجتماعی زندگی میں بہتری کی صورت پیدا نہیں ہو رہی ہے۔ جب تک اپنے پاکیزہ کلچر پر اعتماد بحال نہ ہو گا اور اس سے بھرپور استفادہ کی صورت پیدا نہ ہو گی، تب تک ہمارے قومی و ملی اور اجتماعی حالات میں بہتری کی صورت کا پیدا ہونا دشوار ہے، اس نکتہ کا استحضار ضروری ہے۔

ذہانت کی حامل شخصیت کا روحانی کلچر سے رشتہ توڑ کر دوسری تحریکیوں کا حصہ بننا

ایک عالم دین ہمارے دوست تھے (اب انتقال کر گئے ہیں، اللہ ان کی مغفرت فرمائے) وہ سندھ کے ایک بڑے اہل اللہ کے قربی عزیز تھے، شروع میں ان سے روحانی استفادہ بھی کرتے رہے، لیکن زمانے کے انقلابات کی وجہ سے ان بزرگ سے ان کا تعلق منقطع ہوا، وہ ایک دینی جماعت سیاسی کا حصہ بن گئے، اس کے بعد ایک انقلابی ادارے کی فعال شخصیت بن گئے، چند سالوں تک وہ اس ادارے کے انقلابی یہام کو عام کرنے کے لئے کوشش رہے، لیکن وہاں بھی نہ چل سکے، آخر میں وہ اسلام کے کمیونزم والے ایڈیشن کی فلکر سے متاثر رہے اور اس فلکر کو فروغ دینے کے لئے کوشش رہے۔

یہ جس دوست عالم دین کا ذکر ہوا، وہ غیر معمولی طور پر ذہین تھے، وہ جس موضوع پر بھی گفتگو کرتے تھے، اس موضوع کے ایسے ایسے پہلو زیر بحث لاتے تھے کہ سننے والا ان کی غیر معمولی ذہانت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

اس طرح کی ذہانت کی حامل علمی شخصیت جو معاشرے میں دینی و دعویٰ اعتبار سے بہت زیادہ کام کر سکتی تھی، اس کا کسی بھی جماعت اور کسی بھی فکری سانچہ پر قائم نہ رہنا، آخر میں ایک غلط فلکر سے وابستہ ہونا، اس کے اسباب کا جائزہ لیا جائے گا تو معلوم ہو گا کہ یہ سب نتیجہ تھا اہل اللہ سے تعلق قائم رکھکر، باضابط طور پر سلوک طے کرنے کی بجائے درمیان میں ہی ان سے رشتہ منقطع کرنے کا۔

ہمارا روحانی کلچر اہل اللہ کے دم قدم سے قائم رہا ہے، روحانی کلچر سے اصلاح نفس کے آخری مرحلے تک وابستگی کا لازمی نتیجہ قلب کی سلامتی کے ساتھ ساتھ ذہنی سلامتی کی صورت میں بھی ظاہر ہوتا ہے، لیکن فردا اگر روحانی کلچر سے وابستگی کے ابتدائی اور درمیانی مرحلے میں دوسری تحریکوں سے متاثر ہو کر، روحانی کلچر سے منقطع ہو گیا تو ایسا شخص اگرذ ہیں ہے تو وہ اپنے اس عمل کے ذریعہ اپنی ذات کے علاوہ افراد معاشرہ کے لئے بھی غیر نافع ثابت ہوتا ہے، یہ اہل اللہ سے تعلق توڑنے کی سزا ہے، جو اس صورت میں ملتی ہے، اس سے ایک بڑا نقصان جو ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ فرد کے ترکیہ اور اصلاح نفس کا عمل متاثر ہوتا ہے اور وہ عقلیت کے حامل افراد کے ماحول کا حصہ بن جانے کی وجہ سے ساری زندگی روحانی کلچر کا حصہ بن کر نفسی قوتوں کے زور کو توڑنے اور حقیقی مصلح بننے کی راہ پر گامزن نہیں ہوتا، ابتداء میں روحانیت کا حصہ بننے سے اسے جو فائدہ ہوتا ہے، عقل اور عقلیت اسے اس فائدہ اور اس کے ثمرات کے استحضار کی طرف لانے میں ناکام رہتی ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ اپنی قابل ذکر اصلاح سے پہلے فرد ادھر دیکھنے کی کوشش نہ کرے اور روحانی کلچر سے اپنی وابستگی کو متاثر ہونے نہ دے۔

راہِ محبت میں

منصب اور ذہانت کا حجاب کا ذریعہ بننا

صدر محمود صاحب پاکستان کے ممتاز اسکالر تھے، کئی درجن کتابیں لکھیں، روزنامہ جنگ کے مستقل مضمون نگار تھے، ملکہ اطلاعات میں اعلیٰ سطح کے افسر رہے۔

موصوف اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ میں اپنے ایک صاحب کشف دوست کو حضرت علی ہجویری کے مزار پر لے گیا، اور ان سے کہا کہ مراقبہ میں اگر حضرت علی ہجویری کی روح سے ملاقات ہو تو ان سے میرے بارے میں عرض کیجیا کہ میں راہ سلوک میں چلنے والے چھتا ہوں، اس کے لئے خاص توجہ بھی ہوا اور دعا بھی۔ لکھتے ہیں میرے دوست مراقبہ سے فارغ ہوئے، میں نے ان سے پوچھا کہ کیا ہوا، انہوں نے کہا کہ فرمانے لگے کہ چونکہ یہ بڑی افسوسی کا ذہنی سانچہ اور مزاج رکھتے ہیں، اسی ماحول میں ان کی ذہنی نشوونما ہوتی ہے، اور افسرانہ مزاج چختے ہے، اس لئے ان کے لئے سلوک میں چلناد شوار ہے۔

صدر محمود صاحب لکھتے ہیں کہ یہ سن کر مجھے بڑا ہی افسوس ہوا کہ ملکہ اطلاعات میں جانے سے پہلے مجھے یک پھر شپ مل رہی تھی، لیکن میں نے اسے مسترد کر کے افسر بننا پسند کیا، اس افسوسی نے مجھے روحانی کلچر کا حصہ بننے سے دور کر دیا۔

صدر محمود صاحب کے بیان کردہ اس واقعہ سے بزرگان دین کی یہ بات یاد آتی ہے کہ راہ سلوک اور محبوب سے محبت کی راہ میں جو بڑے جوابات ہیں، ان میں منصب، اقتدار، افسوسی، دولت اور بہت زیادہ ذہانت وغیرہ شامل ہیں، اس لئے کہ ان سے مزاج کی تشیل میں اتنا سیت اور بڑے پن کے اجزاء شامل ہو جاتے ہیں، جو فرد میں جوابات پیدا کر دیتے ہیں، ان جوابات کو ہٹا کر عاجزی کی سطح پر آنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔

صدر محمود صاحب میں چونکہ حقیقی طلب موجود تھی، اس لئے انہوں نے اپنے آپ کو روحانی کلچر سے قریب کیا تھا اور اس سے استفادہ بھی کیا، البتہ وہ سلوک میں باقائدہ نہ چل سکے لیکن انہوں نے بیسیوں کالم روحانیت اور روحانی کلچر کی ضرورت و اہمیت کے موضوع پر لکھے۔

سندھ کے ایک بڑے شاعر کا روحانی لکھر کا حصہ بننا

سندھ کے بیسویں صدی کے سب سے بڑے شاعر نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ الحاد و دہریت کی تحریک کو فروغ دینے میں گزارا، وہ سندھ میں ترقی پسند ادب کے روح روان تھے، اور ہزارہا افراد کو انہوں نے سیکولرزم، کمیونزم اور سندھی قوم پرستی کی راہ پر لگایا، ان کی شاعری جدید افراد کے دلوں میں آگ لگادی تھی، بیسویں صدی کے اس سب سے بڑے شاعر کا مطالعہ بہت وسیع تھا، ان کا معمول تھا کہ شاعری رات کے آخری حصہ میں کیا کرتے تھے، کہتے تھے کہ رات کے اس حصہ میں شاعری گویا مجھ پر وارد ہوتی ہے۔

اللہ کو اس شاعر کی کوئی ادا ایسی پسند آگئی کہ انتقال سے دس بارہ سال پہلے وہ اسلام کی طرف رجوع ہوئے اور دل و جان سے اسلامیت کا حصہ بن گئے، دعاوں کے مجموعہ پر مشتمل انہوں نے سندھی زبان میں کتاب بھی لکھی، جس میں لکھا کہ یا اللہ تو مجھ سے شہرگ سے بھی زیادہ قریب تھا، لیکن میری بد قسمتی اور محرومی کہ میں تجھ سے دور رہا، یا اللہ مجھے معاف کر دے اور میرے دل میں اپنی ایسی لا ذوال محبت پیدا کر دے کہ یہ محبت ابد الابد قائم رہے، ان کی دعاوں کا یہ مجموعہ درد سے اس قدر بھرا ہوا ہے کہ اس کے پڑھنے والا آنکھوں سے آنسو بہائے بغیرہ نہیں سکتا، اس میں اللہ کے سامنے اپنے آپ کو مٹانے اور پامال کرنے کی ادائیں شامل ہیں اور کتاب میں اپنی زندگی کو ضائع کرنے پر خون کے آنسو بہائے گئے ہیں، اللہ نے اس رجوع کے نتیجے میں اپنے ایک ولی سے ان کا روحانی اصلاح کا تعلق بھی قائم کر دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کے جس مرحلے پر بھی حقیقی طلب پیدا ہو جائے، فرد رجوع میں دیر نہ کرے اور فوری طور پر روحانی لکھر کا حصہ بنے، تاکہ اس کی مضطرب روح تسلیم پائے اور اس کی بے قرار دل کو سکون حاصل ہو سکے۔

ایک ممتاز شخصیت کا اقامت دین کی تحریک سے روحانیت کی طرف رجوع

حیدر آباد میں مجھے ۱۹۶۰ء سے ۱۹۷۸ء تک ایک ایسی شخصیت سے تعلق خاطر رہا، جو علمی اور عملی طور پر بڑی شخصیت تھے، سماجی خدمت کے معاملے میں تو وہ بہت آگے تھے، وہ ایک بار قومی اسمبلی کے ممبر بھی منتخب ہوئے، ان کی زندگی کا ہر پہلو دوسروں کے لئے نمونہ تھا۔ نماز خشوع و خضوع سے پڑھتے تھے اور نوافل تک کے پابند تھے، مطالعہ نہایت وسیع تھا، ایوب خان کے دور حکومت میں جب وہ یونیورسٹی کو نسل کے چیر من ہوئے تو الطیف آباد نمبرے میں انہوں نے منتخب موضوعات پر مشتمل ایک اہم لاببریری بھی قائم کی تھی، جس سے ہم جیسے مطالعے کے شو قین افراد نے کافی استفادہ کیا۔

موصوف ایک دینی جماعت کے ذمہ دار تھے، اس حیثیت سے بھی انہوں نے کافی اہم کردار ادا کیا، ان ساری صلاحیتوں، خوبیوں اور صفات کے باوجود تصوف سے ان کا عملی تعلق نہیں تھا، البتہ دینی جماعت میں شرکت سے پہلے یعنی ۱۹۷۳ء سے پہلے ان کا ہندستان کی ایک ممتاز بزرگ شخصیت سے اصلاحی تعلق تھا، لیکن جدید اسلامی فکر سے متاثر ہونے کے بعد ان کا یہ تعلق ختم ہو گیا اور انہوں نے جدید اسلامی تحریک سے ایسی واپسی اختیار کر لی کہ بس وہ اسی کا ہو کر رہے، موصوف نے علامہ اقبال کی شاعری کو سمجھنے کے لئے فارسی زبان لیکھی، اور اقبال کے اشعار کی گہرائیوں تک پہنچے، ۱۹۸۳ء میں میرا روحانی اضطراب کافی بڑھ گیا تھا اور زندگی میں تصادمات بھی موجود تھے، سکون قلبی سے محرومی تھی، اس سلسلے میں میں نے

تصوف کی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا تھا، ایک بار موصوف سے ذکر ہوا کہ تصوف کی کتابوں کا مطالعہ جاری ہے، ان کتابوں میں جن روحانی کیفیات کا ذکر کر رہے ہیں، وہ کیفیات پیدا نہیں ہو پاتی، کہنے لگے تصوف اللہ کی محبت سے بحث کرتا ہے، اللہ کی یہ محنت کتابوں کے مطالعہ سے پیدا نہ ہوگی، بلکہ کسی اہل اللہ کی صحبت سے ہی پیدا ہوگی، الحمد للہ ۱۹۸۳ء میں میرا ایک اہل اللہ سے تعلق قائم ہو گیا، اس سے میں نے غیر معمولی روحانی کیفیات محسوس کی۔

وہ شخصیت چونکہ اخلاص کی حامل شخصیت تھی، اس لئے میرا ان سے برابر تعلق قائم رہا، اس زمانہ میں سندھی زبان میں مولانا حماد اللہ ہالجویؒ کی تین جلدیوں پر مشتمل ملفوظات شایع ہوئی تھی، میں نے ان کے ایماپر ان کو مطالعے کے لئے دی، اس کتاب کے مطالعے سے ان کو اپنا ابتدائی دور یاد آگیا، جس میں ایک ممتاز اہل اللہ کے زیر اثر وہ ذکر و فکر کے مجاہدے کرتے تھے، پھر جماعتی زندگی کے وسیع تلحیث برات نے بھی انہیں اس بات پر اکسایا کہ اہل اللہ کی صحبت ناگزیر ہے، اس کے بغیر شخصیت میں قلبی سکون اور مزاج میں ٹھراڑا کا پیدا ہونا دشوار ہے، چنانچہ موصوف نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا سندھ میں اس وقت حضرت مولانا حماد اللہ ہالجوی کی سطح کی کوئی روحانی شخصیت موجود ہے، میں نے ان کو بتایا، لیکن یہ ان کا آخری دور تھا، اس کے بعد موصوف تین چار سال تک بستر علالت پر رہے، بالآخر ان کا انتقال ہو گیا، اللہ

ان کے درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس نصیب فرمائے۔ (آمین)

نظریاتی اور علمی طور پر بلند

سطح کے باوجود روحانیت سے عدم استفادہ

(ایک ممتاز علمی شخصیت کے حوالے سے گفتگو)

ہمارے ۱۹۷۰ء سے ۱۹۸۵ء کے دور کے ایک دوست تھے، اللہ نے ان کو غیر معمولی حافظہ سے نواز تھا، جو چیز ایک بار پڑھ لیتے تھے، وہ ان کے ذہن کے خانہ میں محفوظ رہتی تھی۔ مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ مغرب کے فلاسفوں اور مفکروں سے لے کر دور جدید کے سارے اسلامی مفکروں کے فکر کا مطالعہ تھا، بلکہ ان کے فکر کے احاطہ کی صلاحیت حاصل تھی، اقبال اور شاہ عبداللطیف بھٹائی کے کلام کے تودہ گویا حافظ تھے، اتنے وسیع مطالعہ کی حامل شخصیت کا فکری اعتبار سے عدم توازن کا شکار کا ہونا یا کسی بھی غلط مفکر کے زیر اثر آجائے کامکان زیادہ رہتا ہے، لیکن اللہ نے انہیں فکری طور پر عدم توازن سے محفوظ رکھا تھا، کیونکہ اور مغربی فکر کے وہ سخت نقاد تھے، اسلامی نظریے پر ان کا کامل اعتماد تھا، انہوں نے سندھ میں کیونکہ، سیکولرزم اور جدیدیت کی نظریاتی تحریک اور اس کی فکری لہروں کا بھی کافی مقابلہ کیا، اس سلسلے میں انہوں نے مضامین میں ایک طویل سلسلہ شروع کیا، ان کی تنقید میں غیر معمولی وزن تھا، اس کا سبب یہ تھا کہ وہ اپنے موقف کی توضیح کے لئے خود مغربی مفکروں کے حوالے دیتے تھے۔

ہمارے ان دوست کا اوڑھنا پچھونا یہ تھا کہ سندھ کی جدید نسل کو جدیدیت، سیکولرزم اور الحاد و ہریت کی تیز تحریک سے بچایا جائے، اس سلسلے میں نوجوانوں سے ان کا گھر ارابہ تھا، ساتھ ساتھ وہ قلم کے ذریعہ بھی اپنے حصے کا کردار ادا کرتے تھے۔

اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ سندھ میں اسلامی نقطہ نگاہ سے ایسی ذہین علمی شخصیت پیدا نہ ہو سکی۔

بھٹائی اور اقبال کے اشعار کے استحضار کے باوجود وہ عملی طور پر تصوف سے دور تھے، تصوف سے اس دوری کا نتیجہ تھا کہ فرائض و واجبات کی ادائیگی کے معاملہ میں وہ صرف کوتاہ واقع ہوئے تھے، بلکہ وہ بھولے سے بھی اس طرف نہیں آتے تھے، وہ سندھ میں اسلام اور پاکستان کے بہت بڑے و کلیل تھے، لیکن عبادت ذکر و قلر اور فرائض تک سے دوری کی وجہ سے ان کی زندگی حقیقی خوشی اور حلاوت سے محروم تھی، وہ معاشری اعتبار سے کمزور تھے، وہ ایک ایسے ملکہ میں گلر کرتے تھے، جہاں ملازمین دیکھتے ہی دیکھتے پیسوں سے کھیلے لگتے تھے، لیکن وہ جائز آمدی پر گزارہ کرتے تھے، جس سے گذر بسر میں تنگی ہوتی تھی، کہتے تھے، میری یہ زندگی بھی غربت اور تنگی سے گزی، فرائض کی عدم ادائیگی کی وجہ سے آخرت میں بھی اللہ کے عتاب کا شکار ہونا پڑے گا، اس پر وہ بڑی تشویش کا اظہار کرتے تھے، ۱۹۸۲ء میں جب میرا ایک بزرگ سے تعلق قائم ہوا، اس سے میری ایمانی حالت میں غیر معمولی تغیر و ترقی واقع ہوا تو میں نے ان سے اس کا ذکر کیا، اور میں نے ان سے کہا کہ آپ بھی اس طرح کے کسی بزرگ سے تعلق قائم رکھیں، اس سے فرائض و واجبات کے ساتھ ساتھ ذکر و قلر کی سعادت بھی حاصل ہو گی اور زندگی غیر معمولی حلاوت سے فیضیاب ہو گئی، وہ نظری طور پر تصوف کی اہمیت کے تو قائل تھے، لیکن عملی طور پر وہ طرح کے مؤثر افراد سے دوستی کے اثرات کی وجہ سے ایسا نہ کر سکے، ۱۹۷۰ء سے ۱۹۸۶ء تک ان سے گھر اربالہ رہا، ان کے علمی تجربات سے کافی استفادہ کا موقعہ ملا۔

ان کے حالات بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ فرد نظریاتی اور علمی طور پر کتنی ہی بلندی پر فائز ہو، لیکن اگر اسے اللہ والوں کی صحبت حاصل نہیں تو اس کے لئے اسلامی شریعت پر عمل کرنا دشوار ہو جاتا ہے، دعا ہے کہ اللہ ان کے گناہوں سے در گزر فرمائے اور انہیں جنت الفردوس نصیب فرمائے۔

زندگی میں موجود خلا کو پُر کرنے کی صورت (ایک مولانا کے حالات کے حوالے سے)

ہمارے ایک بزرگ مولانا تھے، جوندوڑہ العلماء لکھنؤ کے فارغ تھے، حضرت مولانا علی میاں کے شاگرد تھے، غیر معمولی ذہین اور متھر ک وفعاں شخصیت تھے، مجھے ان کے زیر صحبت رہنے کا موقع ملا ہے یہ ۱۹۷۰ء کے دور کی بات ہے، اس وقت میری عمر ۷۴ء میں بند ہو تھی، روزنامہ الوحید (سندھی اخبار) جس کا میں مضمون نگار تھا، وہ جنوری ۱۹۷۱ء میں بند ہو چکا تھا، مولانا نے مجھے کہا کہ تم "جادت" میں لکھنا شروع کرو، اس کے بعد انہوں نے "جادت" کے مدیر عبدالکریم عابد صاحب سے گفتگو کی، اس طرح میرا جادت میں باقائدہ سب ایڈیٹر کی حیثیت سے تقرر ہوا، مولانا ضیاء الحق کے دور حکومت میں وفاتی وزیر بھی رہے، حیدر آباد شہر کے میر بھی۔ لیکن زندگی میں اپنا ذاتی گھر بھی نہ بنائے اور نہ ہی کاروں غیرہ لے سکے مولانا کی یہ سادگی دوسروں کے لئے نمونہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

مولانا افراد کی حوصلہ افزائی کر کے، ان کو آگے بڑھانے کے معاملے میں بھی بہت آگے تھے، موصوف بہت ساری خوبیوں کے مالک تھے، لیکن مزاج کی ایک کمزوری جو زندگی بھر رہی، جو مولانا کے لئے جم کر ایک جگہ کام کرنے کی راہ میں رکاوٹ رہی، وہ مزاج کی سختی اور اشتعال کی حالت تھی، جس کی وجہ سے معاملات بگڑ جاتے تھے، مولانا اقامت دین کی تحریک کا حصہ تھے، اور تصوف و اہل تصوف کے سخت خلاف تھے، اہل تصوف سے میرے تعلق پر بھی مولانا کافی نالاں تھے۔

مولانا کا مدرسہ اور قیام گاہ ہمارے شیخ کے قیام گاہ کے قریب تھی، ہمارے شیخ اور مولانا روزانہ صبح کو پون گھٹنے کی تفریح کے لئے ساتھ نکلتے تھے، اس لئے وہ ہمارے شیخ کے حالات کو

قریب سے جانتے تھے، متعدد بار مولانا نے ذکر بھی فرمایا کہ کتابوں میں بزرگوں کی سیرت و کردار اور زہد و تقویٰ کے جو حالات پڑھتے ہیں، تمہارے شیخ اس کا زندہ نمونہ ہیں۔

لیکن تصوف سے طبعی منابت نہ ہونے کی وجہ سے مولانا ان سے قریب ہونے کے باوجود ان سے اصلاحی تعلق استوار نہ کر سکے، لیکن زندگی کے تلخ تجربات اور مشاہدات کی وجہ سے مولانا نے آخری عمر میں یہ محسوس کر لیا کہ زندگی میں کوئی خلا موجود ہے، جس کی وجہ سے مزاج میں توازن اور ٹھہراؤ کا فقدان ہے اور مزاج کے خلاف واقعات کا اثر ہفتلوں بلکہ مہینوں تک قائم رہتا ہے اور جس شخص سے شکایت پیدا ہو جاتی ہے، جب تک اس پر غصہ کا اظہار نہ کیا جائے، تب تک سکون نہیں ہوتا۔

اسی دوران مولانا اپنے فرزند جو کینیڈا منتقل ہو گئے تھے، ان کے اصرار پر کینیڈا اپلے گئے، کینیڈا سے مولانا نے ہمارے شیخ کو خط لکھا کہ میرے حالات آپ کے سامنے ہیں، ان حالات میں میں اپنے آپ کو آپ کے سپرد کرتا ہوں، آپ سے اصلاحی تعلق قائم کرتا ہوں، آپ مجھے غائبانہ بیعت کر کے مجھے ذکر دینا فرمائیں۔ ہمارے شیخ نے ان کو جوابی خط میں ذکر دیا اور ذکر کا طریقہ بھی بتایا۔

مولانا موصوف جیسی تجربہ کار خنسیت کا ایک اہل اللہ کے سامنے خود سپردگی اختیار کرنا یہ بتلتا ہے کہ علم، ذہانت اور اقامۃ دین کی تحریک میں کردار ادا کرنے کے باوجود زندگی میں ایک غیر معمولی خلا محسوس ہوتا ہے، مزاج میں اشتعال پیدا ہوتا ہے، نہ چاہتے ہوئے بھی دوسروں کی دل آزاری کی صورت پیدا ہوتی ہے اور قلبی سکون کی نعمت بھی پوری طرح حاصل نہیں ہو پاتی، زندگی میں موجود اس خلا کو پُر کرنے کی صورت روحاں کلپر سے وابستگی میں مضر ہے۔

اپنی رائے کو حرف آخر سمجھ کر اس پر

ڈٹ جانے کی کمزوری

(متاز اہل قلم کے حوالے سے گفتگو)

ہمارے ایک بزرگ تھے، جو سندھی صحفت کے سرتاج تھے، جن کی مجھے ایک سال تک خدمت کرنے کا موقعہ ملا، اور دو چار سال تک ان کی صحبت میں رہنے کا موقعہ ملا، موصوف کو ہر موضوع پر لکھنے کا ملکہ حاصل تھا، جس موضوع پر بھی قلم اٹھاتے تھے، معلوم ہوتا تھا کہ بس یہی موضوع ان کے مطالعہ کا خاص موضوع ہے۔

موصوف بیسویں صدی کے سندھی زبان کے سب سے بڑے صحافی تھے، پاکستان بننے سے پہلے خاکسار تحریک سے بھی گہرا تعلق رہا، ان کی زندگی جہاد اور جذبہ جہاد سے عبارت رہی، وہ مختلف اوقات میں مختلف اخبارات و رسائل نکالنے رہے، دوسرے اخبارات میں مدیر کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے، ان کے قلم میں معلومات کے ساتھ ساتھ اتنی روانی اور چاشنی تھی کہ فرد چاہتا تھا کہ بس ان کے لکھنے گئے مضامین پڑھتا ہی رہے، موصوف پر زندگی میں فاقہ کشی کے مختلف مراحل آئے، لیکن وہ ان سارے مراحل سے بیرونی گزرے، مہینوں کے مہینے چنے کھا کر گزارہ کرتے رہے۔

ان کے مزاج کی ایک کمزوری تھی، جس کی وجہ سے وہ جم کر کر کسی اخبار میں کام کرنے کی صلاحیت سے قاصر تھے، وہ کمزوری اپنی رائے کو حرف آخر سمجھ کر اس پر ڈٹ جانہ، اشتعال اور سخت مزاج ہوتا تھا، مختلف اخبارات کے مالکان نے کوشش کی کہ وہ ادارتی نوٹوں اور اخبار کی پالیسی میں کچھ ہماری بات بھی سنیں، زیادہ نہیں تو دو چار فیصد ہماری رائے کو بھی اہمیت دیں، لیکن وہ اس کے لئے تیار نہیں تھے، جس کی وجہ سے انہیں ہر اخبار میں ایک آدھ سال کام کرنے کے بعد اسے چھوڑنا پڑا۔

موصوف علمی اعتبار سے اس صلاحیت کے حامل تھے کہ سندھ میں سیکولرزم اور جدیدیت کی جو تحریک زورو شور سے علمی اسلحہ کے ساتھ اٹھی تھی، جس نے سندھ کے ہزارہا ذینین افراد کو متاثر کیا، موصوف اس کا علمی طور پر بہتر مقابلہ کر سکتے تھے، لیکن اپنی رائے پر اصرار، مزاج کی سختی اور مستقل مزاجی کے فقدان نے انہیں ایسا کرنے نہیں دیا۔

میں نے مولانا کی ادارت میں چلنے والے اخبارات کے برسوں کے فائلوں کا مطالعہ کیا ہے، ان کی صلاحیتوں کو دیکھ کر یہی آرزو اٹھتی تھی کہ کاش کہ مولانا موصوف اپنی رائے کی قربانی دے کر، پوری زندگی کسی ایک اخبار سے وابستہ ہوتے تو نظریاتی مجاز پر بہت مؤثر کام ہوتا۔

مولانا کی یہ کمزوری جس نے اہل سندھ کو ان کی صلاحیتوں سے بھر پور استفادہ سے محروم رکھا، وہ روحانی کلچر کا حصہ بن کر اس سے عدم استفادہ کی کمزوری تھی، روحانی کلچر سے بھر پور استفادہ کرنے سے مزاج کی سختی اور اپنی رائے پر ضد جیسی کمزوریاں از خود دور ہو جاتی ہیں۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ علم، ذہانت اور تحریری صلاحیت اپنے ساتھ جبات بھی لاتی ہے، مولانا موصوف تصوف و اہل تصوف کے سخت خلاف تھے، اس کے خلاف مضامیں بھی لکھتے رہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ تصوف یا روحانی کلچر نفس کو سنوارنے اور فرد کی شخصیت میں تخلی، برداہی، محبت و راداری پیدا کرنے اور اپنی شخصیت کو مٹا کر معاشرے کے لئے ہر اعتبار سے باعث خیر بنانے کا ذریعہ ہے، روحانی کلچر سے استفادہ کئے بغیر فرد میں دوسرا صفات تو پیدا ہو سکتی ہیں، لیکن نرمی، تخلی، برداہی، معافی، عاجزی، افراد کے ہر طرح کے قصور معاف کرنے کی صلاحیت، اور دوسروں کے ساتھ زیادہ عرصہ تک چلنے کی استعداد پیدا ہو سکے، مشکل ہے۔

روحانی کلچر سے عدم استفادہ کے نقصانات

(سندھ میں ادبی مجاز پر کام کرنے والی
اہم شخصیت کے حوالے سے)

ہمارے ایک نظریاتی ساتھی اور دوست تھے، سندھ میں ادبی مجاز پر سیکولر اور قوم پرست طبقہ کے خلاف ان کی جدو جہد سندھ کی ادبی تاریخ کا اہم حصہ ہے، موصوف کالج میں پروفیسر تھے، کالج میں ایک آدھ یکچھ دینے کے بعد ان کی ساری مصروفیات ادبی تنظیم کو فروع دینے، قوم پرست لیڈرلوں کے بیانات کا جواب دینے، مفید اردو کتابوں کے سندھی زبان میں ترجم کرنے یا ترجمہ شدہ کتابوں پر نظر ثانی کرنے یا سندھ گیر سطح پر ادبی نوعیت کی کانفرنسوں کے انعقاد کے سلسلے میں ان کا وقت خرچ ہوتا تھا، شروع میں وہ ایک ادبی سوسائٹی کے روح روای کی حیثیت سے کام کرتے رہے، لیکن اس سوسائٹی میں اختلافات پیدا ہونے کی وجہ سے انہیں اپنی نئی تنظیم بنانی پڑی، اور نئے ساتھی جمع کر کے اس تنظیم کو چلانا پڑا۔

ہمارے یہ ساتھی تحریک، فعالیت اور کام کے جذبہ کے معاملہ میں بہت سارے افراد سے آگے تھے، نئی تنظیم کے تحت انہوں نے دو ادبی کانفرنس ایسی منعقد کرائیں، جس میں سندھ بھر کے ادیبوں کی طرف سے شرکت کے علاوہ اس وقت کے پاکستان کے صدر ضیاء الحق صاحب بھی خصوصی طور پر شریک ہوئے اور ان کی طرف سے تنظیم کو بہت بڑا پلاٹ دینے کے ساتھ مالی تعاون بھی کیا گیا، تاکہ سندھ میں ادبی مجاز پر اسلام کے لئے بہتر اور مؤثر طور پر کام ہو سکے۔

تنظيم کو بہت زیادہ وسائل ملنے کے بعد صدر اور سیکریٹری کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے، ان اختلافات نے دو گروپوں کی صورت اختیار کی۔ دوسرے گروپ کی طرف سے ہمارے دوست اور تنظیم کے بانی کے خلاف اخبارات میں بیانات بھی آنے شروع ہو گئے، دو گروپ بن جانے کا دوسرا بڑا نقصان جو ہوا، وہ یہ کہ حکومت کی طرف سے ایڈمنسٹریمر مقرر کیا گیا اور رقم مجدد کردی گئی، جس کی وجہ سے تنظیم کا کام بُری طرح متاثر ہا، ہمارے دوست نے تنظیم کا سیکریٹری ایک اور ساتھی کو بنایا۔ بڑی مشکلوں کی بعد پہلے گروپ کی طرف ہونے والی محاذ آرائی کچھ کم ہوئی تھی کہ اب نئے سیکریٹری کے ساتھ ان بن شروع ہو گئی، یا ان بن اتنی زیادہ بڑھ گئی کہ تنظیم کے بانی کے لئے تنظیم کے دفتر میں داخل روند دیا گیا۔

اسلام کے علمی اور نظریاتی کام کے نام پر ہونے والی چیقلش نے تنظیم کے صدر کو غیر معمولی صدمہ سے دوچار کیا اور ان پر دل کا دورہ پڑا، مجھے معلوم ہوا تو میں سکھر گیا اور دوست کو مشورہ دیا کہ وہ فوری طور پر مولانا عبدالکریم بیرون الوں سے اصلاحی تعلق قائم کر کے ان سے ذکر لیں، ان شاء اللہ روحانی کلچر کا حصہ بن جانے کے بعد ان کی دل کی حالت متحکم ہو گئی، وہ تو انہوں کی اور ذہنی دbaothم ہو گا اور ساتھیوں کو چلانے کی استعداد بھی پیدا ہو گئی۔

موسوف کو میں عرصہ سے یہ مشورہ دے رہا تھا کہ علمی و ادبی کام کرنے کے لئے پوری جماعت قائم کرنے کی بجائے کل پانچ سات باصلاحیت افراد کا ہونا کافی ہے، دوسری صورت میں انتشار پیدا ہو گا، دوسرامشورہ جو میں ان کو دے رہا تھا، وہ یہ ہے کہ دین کی دعوت اور غلبہ کا کام ہو یا دین کا علمی و فکری کام، اس کے لئے بہت زیادہ روحانی قوت کی ضرورت ہے، یہ روحانی قوت لڑپر یا اپنی ذاتی کوششوں سے پیدا نہیں ہوتی، اس کے لئے کسی اہل اللہ سے تعلق قائم کر کے دل کو آباد، شاداب اور منور کرنا پڑتا ہے، لیکن چونکہ موصوف کے ذہن کی

تشکیل اقامت دین اور غلبہ دین کے نصب العینی فکر کے تحت ہوئی تھی، اس لئے وہ روحانی کلچر اور اس سے استفادہ کو بے معنی اور غیر ضروری سمجھتے تھے۔

ہمارے نظریاتی ساتھی نے ہمارے درود مندانہ مشورہ کو جو انہیں خطوط کے ذریعہ مسلسل دیا جا رہا تھا، اسے کوئی اہمیت نہیں دی، اس کا نقصان یہ ہوا کہ تنظیم کے نئے سیکریٹری کے ساتھ ان کے اختلافات بڑھتے گئے اور طبیعت پر اس کا بُراؤ اثر پڑا اور وہ ۵۳ سال کی عمر میں دل کے دورہ پڑنے سے انتقال کر گئے، اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔ (آمین)

آخر میں یہاں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا بیان کردا ایک نکتہ بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں، فرماتے ہیں، جو مدرسہ، جو ادارہ اور جو انجمان اپنے دور کے اہل اللہ سے استفادہ نہیں کریں گے، ان کی افادیت متاثر ہو گی اور ان سے وابستہ افراد مسائل، مصائب اور مشکلات کا شکار ہوں گے، یہ ایک بنیادی نکتہ ہے جسے مولانا نے سادہ لفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

ایک دانشور کی حسایت

اور خدمت دین کی سعادت کا حاصل ہونا

ہمارے ایک نظریاتی ساتھی دانشور تھے، جو اپنے ابتدائی دور میں الحاد و ہیریت کی تحریک سے وابستہ تھے، جدید اسلامی فکر کے مطالعہ سے انہیں اس مسموم فکر سے نجات ملی اور وہ اسلام کی شاہراہ پر گامزن رہے، بڑے دانشور تھے، مطالعہ و سیع تھا، تحریری صلاحیت بھی بہت بہتر تھی، تقریری صلاحیت اتنی زیادہ تھی کہ لوگوں کو اپنے ساتھ بہا کر لے جاتے تھے، مختلف موضوعات پر اہم علمی کتابیں لکھی، غرض کہ خدمت دین کے حوالے سے انہوں نے کافی کام کیا اور اپنی صلاحیتوں کے مطابق بھرپور کردار ادا کیا۔

موسوف کے والد صاحب نقشبندی سلسلے کے ایک بزرگ کے خلیفہ تھے، لیکن موسوف جدید اسلامی فکر سے وابستگی کی وجہ سے تصوف سے عدم مناسب رکھتے تھے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جتنا بڑا دانشور ہو گا، وہ روحانی پلچر سے وابستہ نہ ہو گا تو قوم و ملت کے حالات اور دوست و احباب کے رویوں کی وجہ سے زیادہ حسایت کا شکار ہو گا، وہ حسایت اسے ذہنی دباؤ کی طرف لے جائے گی، موسوف کے ساتھ بھی بیہی ہوا۔ وہ دوڑھائی سال تک ذہنی دباؤ کا شکار رہے اور گھر میں بندر رہے، دوست و احباب سے تعلقات منقطع رہے، پھر انہوں نے دل کی گہرائیوں سے اللہ سے دعائیں کیں کہ یا اللہ مجھے صحت عطا فرماتا کہ میں علمی طور پر خدمت دین کا بہتر طور پر کام کر سکوں، ان کی دعائیں قبول ہوئیں اور انہیں صحت یا بھی نصیب ہوئی اور انہوں نے سیرت پاک پر مشتمل تین جلدیوں پر مشتمل کتابیں لکھیں اور بھی دیگر موضوعات پر کتابیں تحریر کی۔

لیکن بہت زیادہ دانشوری کی وجہ سے حسایت کا ایک حد تک اثر موجود دہا، میں نے ۱۹۸۵ء سے روزنامہ جنگ میں مضامین کا سلسلہ شروع کیا تھا، میں نے ایک مضمون لکھا،

اسلام کی نشأۃ ثانیة کیسے ہو؟ اس مضمون میں میں نے لکھا تھا کہ کوئی بھی اصلاحی تحریک اہل اللہ سے روحانی استفادہ کرنے بغیر معاشرہ کو اپنے ساتھ لے کر غلبہ دین کے کام میں پیش قدیمی کر سکے، مشکل ہے، اس لئے کہ غلبہ دین کے لئے غیر معمولی ایمانی اور روحانی قوت چاہئے، جو اہل اللہ کی صحبت یعنی روحانی پلچر کا حصہ بننے سے حاصل ہوگی۔ اس مضمون کی وجہ سے موصوف نے سخت دل آزاری محسوس کی اور میرے خلاف ایک ہفتہ روزہ رسالہ میں آٹھ دس قسطوں پر مشتمل مضمون لکھا، اس مضمون میں لکھا کہ یہ شخص اس اونٹ کی طرح ہے، جو اسے پاتتا ہے، اس کو کاٹتا ہے، مضمون کی ہر قحط کے بعد میں ہفتہ وار رسالہ کے دفتر میں جا کر موصوف سے ملتا تھا اور عرض کرتا تھا کہ یہ ایک میر انقطع نگاہ تھا، جس کا میں نے اظہار کیا، باقی میرے بارے میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے، وہ صحیح نہیں، تصوف رواداری سکھاتا ہے، جس کے تحت ہر دینی جماعت اس کی اپنی جماعت ہوتی ہے، البتہ ایک حد تک اختلاف رائے فطری بات ہے، اس مضمون کی وجہ سے موصوف سے میرے تعلقات میں کمی کی بجائے اضافہ ہی ہوا، اس لئے کہ مجھے اندازہ ہے کہ دانشور اپنی حسایت کی وجہ سے ہر اعتبار سے قابل رحم ہوتا ہے۔

موسوف کے آخری دور میں جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ ذہنی اور وجود انی طور پر سخت علیل ہیں تو میں ان سے ان کے گھر پر ملنے گیا اور میں نے عرض کیا کہ آپ علمی مزاج کی حامل شخصیت ہیں، آپ کے والد صاحب سلسلے کے بزرگ بھی تھے، آپ اگر تصوف کی کتابوں کا مطالعہ کریں تو ممکن ہے تصوف و اہل تصوف سے آپ کی رغبت پیدا ہو جائے، اس طرح آپ کے لئے دل اور روح کی تسلیکیں کی راہ ہموار ہو جائے، موصوف نے کہا کہ اگر تصوف کی اہم اور منتخب کتابیں آپ مجھے دے سکیں تو میں ان کا مطالعہ کروں گا۔ چنانچہ میں نے تصوف کی کافی اہم کتابیں ان کی خدمت میں پیش کی۔

تصوف سے وابستہ نہ ہونے کے باوجود
تصوف کی پیدا کردہ خصوصیات کا حامل ہونا
(ایک دوست دانشور صحافی کے حوالے سے)

ہمارے ایک دوست دانشور صحافی تھے، جن کی پوری زندگی لکھنے لکھانے اور صحافت میں گزری، میری نظر میں پاکستان میں ان سے بڑھ کر دانشور صحافی کوئی نہیں تھا، ملک کی سیاست، بین الاقوامی سیاست اور آنے والے حالات کی نشاندہی اس طرح کرتے تھے، کہ فرد پر ساری صور تھاں عیاں ہو جاتی تھی، موصوف کے مطالعہ کی وسعت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ۱۶ سال کی عمر میں کارل مارکس کے نفسیاتی تجزیہ پر مشتمل کتاب لکھی، موصوف نے لگ بھگ ہر موضوع پر لکھا، اور اتنا اچھا لکھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ انہیں ہر موضوع پر عبور حاصل تھا، اس کا ایک سبب یہ تھا کہ ایک توان کی مطالعہ کی عادت تھی، ہر موضوع پر مطالعہ کیا تھا، دوسرے یہ کہ وہ بہت زیادہ تفکر سے کام لیتے تھے، یعنی سیاست ہو یا روحانی اور مادی کلچر ملک کے معاشری و معاشرتی حالات ہوں یا افراد کی نفیسات ہو، ان سارے موضوعات پر وہ بہت زیادہ غور و فکر سے کام لیتے تھے، وہ اقامت دین اور غلبہ دین کی فکر کا حصہ تھے، لیکن ان کی تین صفات ایسی تھیں، جس نے انہیں جماعتی اور دائراتی سطح اور کسی مفکر کی فکر کا اسیر بنانے کی بجائے انہیں مسلم امت کا بہت بڑا دانشور اور بہترین تجزیہ نگار بنایا تھا اور روحانی نوعیت کی صفات کا حامل بنایا تھا، ایک صفت تو تفکر سے کام لینا تھا، دوسری صفت کم ملنے کی صفت تھی، تیسری کم گوئی کی صفت تھی۔

شروع میں وہ فرانس کے پابند نہیں تھے، ۱۹۷۱ کے دور میں ان کے ہاں مہمان کے طور پر قیام بھی رہا، اس دور میں وہ فرانس کی ادایگی کی طرف راغب نہیں تھے، لیکن بعد میں الحمد للہ ان کی فرانس سے عدم رغبت کی کمزوری بھی دور ہو گئی۔ بلکہ بعد میں ان سے ملاقات ہوئی تو اندازہ ہوا کہ ذکر و فکر بھی ان کے معمولات میں شامل ہے۔

میری اردو صحافت کا آغاز ان کی زیر ادارت نکلنے والے اخبار سے ہوا۔ میرے مظاہمین کو ہفتہ وار نگین ایڈیشن میں پہلے صفحہ پر دیتے تھے اور ڈیڑھ دو برسوں تک دیتے رہے۔

ذوالفقار علی بھٹو صاحب کا دور آزاد صحافت کے لئے سخت دور تھا، اس لئے جس اخبار کے وہ مدیر تھے، (بعد میں اس اخبار کے مضمون نگار رہے) بھٹو صاحب نے اس اخبار کو بہند کر دیا، ۱۹۷۴ء میں وہ لاہور منتقل ہوئے، لاہور میں انہوں نے ایک دوست سے مل کر "افریشیا" کے نام سے ہفتہ رو ڈی رسالہ نکالنا شروع کیا، مجھے بھی اس میں مضمون نگار کی حیثیت سے کام کرنے پر آمادہ کیا۔

۱۹۸۳ء میں میں عملی تصوف سے وابستہ ہوا، ان سے لاہور میں ملاقات ہوئی تو میں نے اس کا ذکر کیا، کہنے لگے آپ نے بہت اچھا کیا، اب آپ کی زندگی میں حقیقی تبدیلی آئنا شروع ہو گی، آپ حقیقی روحانیت کی خوبی سے معطر ہوں گے، میں نے ان سے عرض کیا کہ تصوف کے بارے میں اگر مجھے کچھ نکات لکھوائیں تو میرے کام آئیں گے، انہوں نے نکات لکھوائے شروع کئے۔

"صوفیا کرام شعور کی بجائے آدمی کے تحت الشعور اور لاشعور کو متاثر کرتے ہیں، اور اس میں تبدیلی پیدا کرتے ہیں، جب کہ عام مذہب صرف شعور اور عقل سے اپیل کرتا ہے، جب کہ تصوف میں لاشعور میں تبدیلی لانے کے لئے مختلف مشقیں اور پرکیش کرائی جاتی

جدید نفیات کی رو سے انسان کی تمام حسین ایک ہی حس لامسہ (چھونے کی حس) سے پیدا ہوئی ہے، ایک چیز جب آنکھ کے پردوں سے چھوٹی ہے تو بصرت کی حس وجود میں آتی ہے، کان کے پردوں سے چھوٹی ہے تو سماعت پیدا کرتی ہے، زبان سے چھوٹی ہے تو ذائقہ کو پیدا کرتی ہے، اگر ایک حس ارتقاء کر کے پانچ حسین پیدا کر سکتی ہے تو دس پندرہ حسین بھی پیدا ہو سکتی ہیں، جس طرح انسان کے اندر ظاہری حسین ہیں، اسی طرح باطنی حسین بھی ہیں، ان کا بھی ارتقاء ہو سکتا ہے۔ مثلا یہ کہ میں اپنے ذہن کی قوت سے آپ کے ذہن و قلب کی تفسیر کروں، ایک بات جو میرے ذہن میں ہے، وہ آپ کے ذہن میں ڈالوں، یا پہنچائی کر کے اپنے پسند کا کام آپ سے کروں۔ اس قسم کی باطنی حسین پیدا کرنے کے لئے نفیاتی اور روحانی مشقیں کرائی جاتی ہیں، مرشد کا اثر اپنے مریدوں پر وہی ہوتا ہے، جو پہنچاڑم کا ہوتا ہے اور مرشد اس وقت باطنی قوت سے مریض میں نئی قسم کی عادات پیدا کر سکتا ہے اور پرانی عادات چھڑا سکتا ہے۔ ان باطنی قوتوں یا حسون کو مشقتوں کے ذریعہ بیدار کر لینے کے بعد غلط مقاصد کے لئے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اور صحیح مقاصد کے لئے بھی۔ صحیح مقاصد یہ ہیں کہ آدمی کو اس کی سفلی اور شیطانی خواہشات پر قابو پانے کی طاقت دے اور اس کے روحانی، نورانی اور ملکوتی وجود کو سفلی وجود پر غالب کر دے۔

صوفیاء اس بات کے قائل ہیں کہ اگر اپنی ذہنی قوت کو ترقی دیدیں تو ہم ان شخصیتوں کو خوب یا بیداری میں مجسم دکھ سکتے ہیں جو انتقال کر چکی ہیں۔ لیکن ہماری ذہنی قوت کی وجہ سے وہ مجسم ہو کر نہ صرف ہمارے سامنے آتی ہیں، بلکہ ہماری رہنمائی بھی کرتی ہیں۔ اس میں فنا فی اشیخ کا مقام وہ ہے جہاں شیخ کی شخصیت سے مستقل رابطہ رہتا ہے۔ فنا فی الرسول کا مقام وہ ہے جس میں ایک مسلمان کاذات رسالت مآب ملئی ہے۔ تعلق قائم ہو جاتا ہے۔“

ہیں، جن کو سلوک کہا جاتا ہے، دوسرا جذبہ جس کا ہے، جن کو نفیات اہمیت دیتی ہے، یعنی لاشعور کے بعد جنسی جذبے کی اہمیت نفیات تسلیم کرتی ہے۔ یہ جذبہ اپنی تسلیم کے لئے مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے، صوفیہ بھی اس کو مانتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ عشقِ مجازی نہ ہو تو عشقِ حقیقی تک نہیں پہنچا جاسکتا، اس کو یوں سمجھیے کہ عشق یا جنسی آدمی کی طبیعت کو بے چین کر دیتی ہے، اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے انسان ادب، آرٹ، شاعری اور مذہب میں پناہ تلاش کرتا ہے، اس طرح ان چیزوں کا ارتقا عمل میں آتا ہے، اگر انسان داخلی اور نفیاتی طور پر مطمئن ہو تو اسے نہ شعر کہنے کی ضرورت ہو اور نہ ہی مذہب کی۔ یہ انسان کی داخلی بے چینی ہی ہے، جس کی وجہ سے مذکورہ چیزوں کی تلاش رہتی ہے اور ان سے بے چینی رفع ہوتی ہے، جب کہ مادی چیزوں سے بے چینی دور نہیں ہوتی۔

صوفیہ مزید کہتے ہیں کہ انسان کے نفس کے اندر مختلف طبقات ہیں، اور علم طبقات النفس ہی کا دوسرا نام "ماڈرن سائیکالوجی" ہے، اس سائیکالوجی کی رو سے انسانی ذہن کی مختلف پر تین ہیں، صوفیاء بھی کہتے ہیں کہ انسان نفس امارہ اور نفس لواحہ سے عبارت ہے اور نفس مطمئنہ کی تلاش میں ہے۔ نفس امارہ وہ لاشعور ہے، جس میں برائی موجود ہے، جو برائی پر اکساتا رہتا ہے۔ نفس لواحہ وہ نفس ہے جو انسان کو اس کی بری خواہشات یا حرکتوں پر لعنت ملامت کرتا رہتا ہے اور روک ٹوک کرتا رہتا ہے، یا بالفاظ دیگر یہ انسان کا ضمیر ہے۔ ان دونوں کی کشمکش چلتی رہتی ہے۔ انسان کا ایک شیطانی وجود ہے، دوسرا رحمانی اور ملکوتی وجود ہے، اس کشمکش میں روحانی اور ملکوتی وجود کو غالب کرنا، اس کے بغیر ممکن نہیں کہ انسان مخصوص قسم کی نفیاتی مشقیں اور ریاضتیں کرے۔

موصوف کردار میں بھی بلندی کے مقام پر فائز تھے، جس کا اندازہ دو واقعات سے لگایا جاسکتا ہے، ایک واقعہ یہ ہے کہ ان کے فرزند نے کہا کہ اباجان، ہم جس محلہ میں رہتے ہیں وہ غریبوں کا محلہ ہے، ہمیں کسی اچھے علاقے میں اچھا سامکان لینا چاہئے، میرے پاس پیسے ہیں آپ اجازت دیں تو مکان لیں، کہا، بیٹا بڑے علاقہ میں رہنا اور بڑے لوگوں کے ساتھ رہنے سے ضمیر کو مردہ کرنے کا باعث بن سکتا ہے، ان کی صحبت سے فرد قساوت قلبی کا شکار ہو سکتا ہے، اس لئے میری نصیحت ہے کہ زندگی بھر غریبوں کے ساتھ رہو اور غریبوں کے علاقہ میں رہو، دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ان کو گلہ کا کینسر ہو گیا تھا، ان کے اقامت دین کے ایک مخلص ساتھی نے ان کو علاج کے لئے برطانیہ بھیجنے کی کوشش کی اور اس کے لئے دوستوں سے چندہ لیا، جب مطلوبہ رقم کا اہتمام ہو گیا تو اس کا ذکر کیا کہ آپ برطانیہ چلے جائیں، وہاں اقامت دین کے تحریک کے ذمہ دار سے ہم نے بات کی ہے، وہ آپ کے سارے انتظامات کریں گے، ان دوست سے کہا کہ غریبوں کو تو پاکستان میں بھی علاج کے موقع میر نہیں، اور میں امیروں کی طرح باہر جا کر علاج کراؤ، میری طبیعت اس کے لئے ہر گز آمادہ نہیں۔

ہمارے ان بزرگ دوست کے اس طرح کے کافی واقعات ہیں، انہوں نے پون صدی کی کہانی کے عنوان سے کتاب لکھی ہے، جس میں زندگی بھر کے مشاہدات بیان کئے ہیں یہ دو واقعات جو میں نے بیان کئے، اس میں ان کا ذکر نہیں ہے۔

ہمارے اس دوست صحافی کے زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص اگر اہل تصوف سے وابستہ نہ بھی ہو، لیکن اگر وہ تنکر کو وظیفہ بنائے گا، کم گوئی اور کم ملنے کی صفات اختیار کرے گا اور اس کا خصوصی اہتمام کرے گا تو اس کی شخصیت تصوف کی پیدا کردہ خصوصیات کی حامل ہو سکتی ہے۔

زیر تربیت باصلاحیت افراد کی طرف سے رابطہ توڑ دینے کا عمل

ہم نے ۱۹۸۶ء میں جدید تعلیمی اداروں میں اسلام کے نظریاتی کام کے لئے ایک تنظیم قائم کی تھی، اس تنظیم میں بعض ذہین باصلاحیت نوجوان بھی شامل تھے، اس کے لئے دفتر لیا تھا اور ان طلبہ سے روزمرہ رابطہ قائم تھا اور ہفتہ وار نشست بھی ہوتی تھی، جدید تعلیمی اداروں میں نظریاتی کام کے علاوہ ان طلبہ کی تربیت کی طرف میری خصوصی توجہ تھی اور چار پانچ نکات ایسے تھے، جو میں ان کے ذہین نشین کرنے کی مسلسل کوشش کرتا تھا، پہلا نکتہ یہ تھا کہ تعلیم کی فراغت کے بعد جب وہ عملی زندگی میں آئیں گے تو ماہہ پرستی پر مبنی ماحول انہیں اپنے طرف کھینچنے کی کوشش کرے گا، اس سے بچاؤ کے لئے انہیں صالح ماحول کا حصہ بننا چاہئے، ورنہ وہ ماحول کے اثرات بد سے بچنے نہیں سکے گے اور شیطانی قوتیں جو صالح افراد سے تعلق نہیں رکھتا اسے اچک لیتی ہیں دوم یہ کہ زیادہ مالدار بننے کی کوشش نہ کریں، اس لئے کہ دولتمند کا دماغ ٹھکانہ میں نہیں رہتا، نیز اس کے لئے عبیدت کی راہ پر گامزن ہونا مشکل ہوتا ہے، وہ سنگدلی اور قساوت قلبی کا شکار ہو جاتا ہے، قساوت قلبی کے شکار فرد پر نصیحت کی باقی اثر انداز نہیں ہوتی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جس طرح اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل نہیں ہو سکتا، اسی طرح مالدار اللہ کی خدائی میں داخل نہیں ہو سکتا (ہاں جس پر اللہ فضل خاص شامل ہو جائے) سوم یہ کہ بڑا افسر بننے کی کوشش نہ کریں، اس لئے کہ افسری سے بڑے پن کامرانی اور ذہنی سماںچہ بننا شروع ہو جاتا ہے، نیز فاسد مزاج کے حال افسروں سے آٹھ دس گھنٹے کا تعلق ہونے کی وجہ سے ان کی کلمات کے اثرات فرد کی طبیعت کا حصہ بننے لگتے ہیں، اور شخصیت میں شدید جوابات پیدا ہونے لگتے ہیں، صالح اور نیک لوگوں سے نہ صرف کدو راست پیدا ہونے لگتی ہے، بلکہ ان کی تختیر کی نفیات پیدا ہونے لگتی ہے۔

ہماری اس تنظیم سے وابستہ افراد جو مجھ سے زیادہ قریب تھے، دکھل کی بات ہے کہ ان میں کسی ایک نے بھی ان نصیحتوں کو اہمیت نہیں دی، بعض بڑے افسروں نے تو بعض دولتمند نتیجہ صاف ظاہر تھا، یہ سارے زیر تربیت افراد نے پچھلے ۳۶ سال سے سرے سے رابطہ ہی توڑ دیا۔ مادیت پرست ماحول کی اس ستم طریقی پر نہون کے آنسو بہائے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔

روحانی کلچر سے عدم استفادہ کے کچھ اسباب (ایک نظر میں)

- (۸) حب جاہ، حب مال، حرص و ہوس، حسد و جلن اور خود شنائی و خود نمائی جیسی باطنی بیماریوں سے بچاؤ کی فکر کا نہ ہونا۔
- (۹) روحانی کلچر میں نفسی قتوں کے ساتھ عرصہ تک کشمکش کی جو حالت رہتی ہے، اس کی اس مشکل کو دیکھتے ہوئے ہمہ اور حوصلہ کا فقدان ہونا۔
- (۱۰) اخبارات اور میڈیا جو ذہنوں کو متاثر کرنے کے طاقتوں ذرا لمحہ ہیں، ان میں ایسے افراد کا نہ ہونا، جو روحانی کلچر کو جدید اسلوب میں پیش کر سکیں۔
- (۱۱) جدید تعلیمی اداروں میں روحانی کلچر کے خانہ کا غالی ہونا، اور ان اداروں کے ذریعہ دنیا کی حرص اور دنیاداری کی روشن کا پھوٹنے کی روشن کا ہونا وغیرہ وغیرہ۔
- حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ پرستی پر بنی روحانی کلچر ہماری ایسی نائزیر ضرورت ہے کہ اس کے بغیر ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی کی درستگی کی کوئی صورت پیدا نہیں ہو سکتی، روحانی کلچر کا حصہ بننے سے جو فوائد و ثمرات حاصل ہوں گے، ان میں کچھ فوائد و ثمرات یہ ہیں (۱) اللہ سے والہانہ محبت کے جذبات کو فروغ حاصل ہو گا، محبت کے دوسرے سارے جذبات اسی ایک محبت کے تابع ہوں گے (۲) افراد معاشرہ اضطراب اور بے قراری کے جن انگاروں پر لوٹ رہے ہیں، یہ صورت حال ختم ہو گی، اور قلبی سکون کی نعمت عظیمی حاصل ہو گی (۳) ایمان کی گہرائی اور اس کی حلاوت حاصل ہو گی (۴) اللہ کی طرف سے ایسی قیادت نصیب ہو گی اور اس کے تحفظ کی صورت پیدا ہو گی، جو ہمیں سیاسی و معاشری بحران سے نکال کر بہتری کی راہ پر لانے کا ذریعہ بنے گی۔

روحانی کلچر جو اللہ کی محبت کے فروغ کا ذریعہ ہے، جس کے فوائد و ثمرات بے شمار ہیں، جس کے بغیر نہ تو باطنی بیماریوں سے چھکا رہ حاصل ہو سکتا ہے اور نہ ہی قلبی سکون اور روح کی طہرانیت کی صورت پیدا ہو سکتی ہے، اب سوال یہ ہے کہ معاشرے میں اپنے اس روحانی کلچر کا حصہ بننے سے دوری کی روشن کیوں ہے، بے سکونی، اضطراب اور حالت زار ہونے کے باوجود اپنے کلچر سے استفادہ کے لئے آمدگی کیوں نہیں ہے۔
ہماری نظر میں اس کے کچھ اسباب یہ ہیں۔

- (۱) مادی کلچر کا ہمہ گیر غلبہ، جس کی وجہ سے طبیعتیں اور ذہن اس طرف آنے کے لئے تیار نہیں ہیں (۲) اپنے روحانی کلچر کی حقیقت اس کی اصلاحیت اور اس کی نوعیت سے نآشنائی (۳) معاشرے میں روحانی کلچر کی حامل شخصیتوں کی اجنبت کا ہونا۔
(۴) عقلیت کی فکر کے غلبہ کی وجہ سے روحانی کلچر کو ذہنی طور پر مسترد کرنے کی روشن کا ہونا (۵) شروع سے روحانی کلچر سے دوری کی وجہ سے اس کلچر سے عدم استفادہ کے مزاج کا راسخ ہونا اور سستی کی عادت کا پختہ ہونا۔

- (۶) روحانی کلچر کی حامل مثالی شخصیتوں اور مثالی خانقاہوں کے فقدان کا ہونا، ایسی خانقاہیں، جس میں فقر کی حامل شخصیت موجود ہو اور وہ افراد کو آسانی سے دستیاب ہو۔
(۷) روحانی کلچر کے اصولوں اور اس کی بنیادوں کو دور جدید کی حامل جدید نسلوں کے سامنے اس کی ذہنی سطح کے مطابق پیش کرنے میں ناکامی کا ہونا۔